گلاب لمحوں کی زد میں



انتساب

میرے بچوں

ملک دانیال احمد، ملک عبداللہ واثق اور حفصہ رابیل ملک

کے نام

اللہ تعالیٰ انہیں لمبی خوشیوں بھری زندگی عطا کرے

اور دین و دُنیا میں بامقصد نام و مقام دے۔ آمین!

پیش لفظ

''گلاب لمحوں کی زد میں'' میری اُن ابتدائی تحاریر میں سے ایک ہے کہ جنہیں لکھتے ہوئے میرا انہماک و دِلچسپی دوچند تھی۔ اسے لکھ کر مجھے جتنی خوشی ہوئی اس کی اشاعت پر اُس سے کہیں زیادہ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ رائٹر کے قلم سے نکلے ہر موضوع کا محرک کوئی نہ کوئی حقیقی واقعہ ہی بنتا ہے۔ یہ رائٹر کا قلم اور اُس کا دماغ ہی ہوتا ہے کہ جو اُس واقعے کو ایک نئی شکل میں ڈھال کر قاری تک پہنچاتا ہے۔

''گلاب لمحوں کی زَد میں'' اپنوں کے کج رویوں کا شکار ہوئی ایک ایسی لڑکی کی کہانی ہے کہ جو اس معاشرے کا ایک جیتا جاگتا کردار ہے۔

کوئی بھی تحریر پڑھتے ہوئے یہ یاد رکھا کریں کہ موضوع کبھی نئے پرانے نہیں ہوتے۔ لکھاری کا قلم انہیں نئے نئے طریقوں سے سنوار کر یا بگاڑ کر قاری کے سامنے لاتا ہے۔ دُنیا سمٹ کر رہ گئی ہے۔ اس سمٹی ہوئی دُنیا کو کمپیوٹر کی موجودگی نے اور چھوٹا کر دیا ہے۔ بہت سی ایسی باتیں جن کا ادراک کتابوں کے ذریعے ہوتا تھا وہ کمپیوٹر و الیکٹرانک میڈیا کا مرہونِ منت ہو گیا ہے۔ پھر بھی پرنٹ میڈیا کی اہمیت و حیثیت اپنی جگہ مسلمہ ہے۔ پڑھنے والے آج بھی اچھی کتابوں کے متلاشی رہتے ہیں اور مجھے اپنے رب سے اُمید ہے کہ میری کتابوں کی جگہ بھی باشعور قارئین کے بک ریکس میں ہوگی، اُن کی پسندیدہ کتابوں میں سے ایک کتاب کے طور پر، انشاءاللہ!

فرحانہ ناز ملک

بس اتنا کہنا ہے!

فرحانہ کا شمار ان مصنفات میں ہوتا ہے جس میں لکھنے والوں کا روّیہ زندگی سے ہم آہنگ نظر آتا ہے۔ وہ معاشرتی مسائل پر ہلکے پھلکے انداز میں افسانے اور ناولٹ تحریر کرتی ہیں۔ مزاح کا عنصر اور شگفتگی ان کی تحریروں کا خاص وصف ہے۔

فرحانہ سے فون پر اکثر گپ شپ رہتی ہے۔ فرحانہ ہنستی مسکراتی، بے حد حساس طبیعت کی حامل ہیں۔ جس سے بھی بات کرتی ہیں انتہائی سچائی سے کرتی ہیں۔ ان کی باتوں اور روّیے میں مجھے کبھی کھوٹ نظر نہیں آئی۔ ہاں! تنقید کو اپنے دِل پر لے لیتی ہیں اور جب میں انہیں مطمئن کر دیتی ہوں تو بڑے پیارے اور بھولے سے انداز میں کہتی ہیں:

''انجم آنٹی......! میں آپ کو پہلے ہی فون کر لیتی تو خواہ مخواہ کا ڈپریشن تو ختم ہو گیا ہوتا۔''

ان کی معصومیت پر مجھے بہت پیار آتا ہے۔

مجھے پوری اُمید ہے کہ فرحانہ بہترین قلم کاروں میں نمایاں مقام حاصل کریں گی۔

انجم انصار
مدیرہ ''پاکیزہ ڈائجسٹ''
کراچی

فرحانہ ناز ملک

فرحانہ ناز ملک قارئین کے لئے جانا پہچانا نام ہے۔ میں نے بحیثیت قاری اس کی تحریریں پڑھی ہیں اور مجھے ان کا اندازِ تحریر پسند آیا۔ کہانی کے اُتار چڑھاؤ کو خوبصورتی سے بیان کرتی ہیں۔

ان کا نیا ناول ''گلاب لمحوں کی زد میں'' خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میری طرح آپ سب کو بھی یہ ناول پسند آئے گا۔

خیر اندیش
نگہت عبداللہ

گلاب لمحوں کی زد میں

کہنے کو تو چھوٹی سی دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا مگر یہ ''چھوٹی سی دعوت'' بھی اس کے ہاتھ پاؤں پھلانے کے لیے کافی تھی اور توقع کے عین مطابق کسی گرینڈ پارٹی کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ سب سے پہلے سمیلہ آپی کی فیشن کا منہ بولتا اشتہار ٹائپ سہیلیاں آئیں پھر حسنہ کی سہیلیاں کیٹ واک کرتی محفل کی رونق میں اضافے کا سبب بنیں۔ لگے ہاتھوں ''عالیہ بیگم'' نے بھی اپنے دو چار واقف کاروں کو بلوا لیا جن کی دعوت کافی دنوں سے ان کے ذمّے ڈیو تھی اور وہ پتا نہیں کیسے اس بار انہیں ٹالتی جاری تھیں۔

روفا سوچ رہی تھی، شاید عالیہ بیگم کی طبیعت میں کچھ گرانی ہے کہ وہ اپنی سہیلیوں سے دعوت ٹالنے کا بہانہ متواتر کیے جا رہی ہیں۔ ورنہ مل بیٹھنے کے مواقع تلاش کرنا تو ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے مگر آج روفا کا خیال غلط ثابت ہو ہی

گیا چونکہ دعوت تو ویسے ہی پارٹی کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ سو عالیہ بیگم نے بھی ہائی سوسائٹی کی پروردہ واقف کار بیگمات کو انوائیٹ کر ڈالا جو شاید ان کے بلاوے کی ہی منتظر تھیں۔ پلک جھپکتے میں تشریف لے آئیں۔

ہمیشہ کی طرح وہ آج بھی یہی سوچ سوچ کر اپنا ذہن تھکائے جا رہی تھی کہ "ٹائم کی کمی کا رونا رونے والی اس کی کزنز اور پھپھو کو ہر تیسرے روز اپنے کئی کئی گھنٹے ایسی دعوتوں پر صرف کر کے کیا مل جاتا ہے۔ سمیلہ اور حسنہ کالج اور یونیورسٹی میں روزانہ سہیلیوں سے مل لیتی تھیں۔ عالیہ بیگم کی ملاقات بھی اپنی ہم خیال خواتین سے کسی نہ کسی گیدرنگ میں ہو ہی جاتی تھی۔ پھر ایسی دعوتوں کا کیا مقصد۔ شاید یہ بھی بڑے لوگوں کی ایک ادا ہے۔" سر جھٹک کر اس نے سوچا اور کچن میں گندے برتنوں کے بڑھتے انبار کو دیکھ کر ہولنے لگی کہ جنہیں دھونا اور خشک کرنا اس کی ذمے داری کا ایک حصہ تھا۔ چاہے رات کتنی ہی ہو جاتی...... روفا کو کچن سمیٹ کر ہی بستر پر جانے کی اجازت ملتی تھی۔ ایک جھوٹا برتن بھی سنک میں رہ جاتا تو گویا اس کے لیے "عذاب عالیہ بیگم" بن جاتا۔ سو اس عذاب سے بچنے کے لیے وہ ہر ممکن طور پر تھکاوٹ و نیند کو جھٹک جھٹک کر کام ختم کرتی تھی۔

ملک عبدالواحد بے شک بہت بڑے بزنس مین تھے لیکن وہ جو ہوتی ہے ناں پرانی روایتوں، ریتوں اور قدروں کی چھاپ...... جو بعض اوقات اتنی گہری ہوتی ہے کہ مٹائے نہیں مٹتی۔ چاہے بندہ کتنی ہی ترقی کر جائے، کتنا ہی ہائی سوسائٹی میں ضم ہو جائے...... دیسی پن چھپائے نہیں چھپتا جاتا۔ عالیہ بیگم اور ان کی آل اولاد اس کا چلتا پھرتا اشتہار تھیں۔ بدیسی ریپر میں لپٹی دیسی مخلوق۔

کب سے کچن، ڈرائنگ روم اور پھر سمیلہ، حسنہ کے بیڈ روم تک پریڈ کر

کر کے اس کے تلووں میں جیسے آگ سی بھر گئی تھی۔ ٹانگیں دہائیاں دیتے نہیں تھک رہی تھیں مگر ان کی دہائیوں پر کان دھرنا اس کے بس میں کہاں تھا۔ وہ ہر قسم کی جلن، درد، بیزاری اور تھکاوٹ سے نظریں چرائے پھرکی بنی کچن سے ڈرائنگ روم اور ڈرائنگ روم سے اپنی کزنز کے بیڈ رومز تک دوڑیں لگاتی پھر رہی تھی۔

کہنے کو تو عالیہ بیگم اپر کلاس کی اعلیٰ سوچ کی حامل خاتون تھیں لیکن ان اعلیٰ خیالات کی مالک خاتون سے یہ بات شاید کسی نے نہیں کہی تھی کہ گھر میں نوکروں کی بہتات ہونا بھی اعلیٰ طبقے کی خصوصیات میں سے ایک ہے لیکن وہ شاید اس خاصیت میں نمبر بنانا نہیں چاہتی تھیں۔ تبھی تو روفا ملک کی صورت میں ایک "نوکرانی" پر اکتفا کیے ہوئے تھیں۔ اس حقیقت کو ڈسٹ بن میں ڈالے کہ وہ معصوم ان کا اپنا خون ہے، ان کے سگے بھائی کی اکلوتی نشانی۔

ویسے تو سکینہ گھر کی جھاڑ پونچھ اور برتن وغیرہ دھونے صبح کے ٹائم ڈیوٹی نبھانے حاضر ہو جاتی تھی۔ لیکن وہ بھی روفا کے ساتھ برتا گیا مالکوں کا "اوپرا" رویہ دیکھ چکی تھی سو روفا کو کسی کیٹگری میں نہ رکھتے ہوئے وہ اسے بھی اپنے ساتھ لگائے رکھتی اور خود پر ہر دم عالیہ بیگم کی عقابی نگاہوں کی دہشت سجائے وہ چپ چاپ سکینہ کا نخوت بھرا لہجہ سہہ جاتی۔ جب گھر کے افراد ہی اسے فارغ پرزے کی سی حیثیت دیتے تھے پھر سکینہ کو کیا پڑی تھی اسے مالکوں جیسا رتبہ دینے کی۔ البتہ گھر کی کل وقتی ملازمہ کم بزرگ فرد۔ بوا کے اندر کہیں اس کے لیے نرم گوشہ تھا کہ جو موقع محل دیکھ کر اس سے ہمدردی جتانا برا نہیں سمجھتی تھیں۔

"پتا نہیں، ان لڑکیوں کے ماں باپ کس بے فکری مٹی کے بنے ہوتے ہیں۔ رات کے گیارہ بج رہے ہیں اور یہ ماں باپ کی خفگی' ڈانٹ' پھٹکار سے بے

نیاز یہاں بلاوجہ ہی دھرنا مارے بیٹھی ہیں۔ ماں باپ کچھ کہتے نہیں ہوں گے تبھی تو اتنے آرام سے بیٹھی ہیں'' کچن کے ٹھنڈے ٹھار فرش پر گھٹنوں میں منہ دیے وہ آدھی سوئی آدھی جاگی کیفیت میں سوچے جا رہی تھی۔ دونوں بہنوں کی فرینڈز اب لاؤنج میں اودھم مچائے ہوئے تھیں۔ اچھی خاصی بھاری اور مرغن ٹائپ کی دعوت اڑانے کے بعد اب کافی کا دور چل رہا تھا۔ جبکہ عالیہ بیگم کی ''ہم جولیاں'' چند لمحوں پہلے خدا خدا کر کے رختِ سفر باندھ گئی تھیں۔

''روفا...... برتن لے جاؤ'' زوردار پکار پڑنے پر وہ ہڑ بڑا کر کھڑی ہوئی تھی۔ دوڑ کر لاؤنج میں پہنچی' لڑکیاں گھر جانے کے لیے کھڑی ہوگئی تھیں۔

''یار! بڑے خوش قسمت ہو تم لوگ! مفت کی نوکرانی ہاتھ لگ گئی۔ جو جی جان سے تمہارے کام کرتی ہے ورنہ تو نوکروں کے سر پر کھڑا ہونا پڑتا ہے۔''

''یہ بھی ہمارا احسان ہی ہے کہ ہم نے اسے ٹھکانا تو دے رکھا ہے۔ نہیں تو جس ٹائپ کی عورت کی یہ بیٹی ہے، ایسے میں گنجائش ہی نہیں رہتی تھی اس کو اپنے پاس رکھنے کی'' حسنہ کا انداز و لہجہ زہر خند ہو گیا۔ وہ سپاٹ چہرہ لیے یہاں وہاں رکھے کپ اکٹھے کرتی رہی۔ اس کی ماں کس قماش کی تھی؟ یہ بات اتنی مرتبہ اس گھر میں دُہرائی جاتی تھی کہ اب تو اسے ازبر ہو چکی تھی۔

''بے چاری......'' سب سہیلیوں نے جی بھر کر تاسف کا اظہار کیا۔

''اب اتنی بھی بے چاری نہیں ہے۔ کہا تو ہے تم سے بدکردار ماں کی بیٹی ہے، خاندان کا کوئی فرد اسے اپنے پاس رکھنے کے لیے رضامند نہیں۔ ہمارے پاؤں دھو دھو کر پیے کہ ہم نے اسے چھت فراہم کی، تحفظ دیا، بدلے میں یہ ہمارے دو چار کام کر دیتی ہے تو کون سا احسان کرتی ہے۔ فرض بنتا ہے اس کا'' سمیلہ نے

تپ کر جواب دیا۔

''پھر تو تم لوگ جنتی ہوئے؟'' ایک نے شریر لہجہ اپنایا۔

''ایسے ویسے!'' حسنہ نے گردن اکڑائی ''پیدائشی جنتی کہو۔''

''پھر بھی یار! مجھے تمہاری کزن پر ترس آتا ہے کیسا مرجھایا ہوا سا چہرہ ہے اس کا' جیسے خزاں آ کر جانے کا راستہ بھول گئی ہو...... ہے ناں!''

''او میم!'' سمیلہ نے آنکھیں نکالیں ''اس کی شکل پہ مت جاؤ، پیدائشی مسکین ہے بلکہ موروثی اسے ملی ہے یہ مسکینیت......''

''اور تمہارا اتنا ہی دل کر رہا ہے تو گھر لے جاؤ اسے۔ ہماری طرف سے کوئی پابندی نہیں'' حسنہ کی آفر پر دوست نے کانوں کو ہاتھ لگا لیے۔

''نہ بابا...... معاف کرو'' چند لمحوں کے بعد ساری کی ساری ایک دوسرے کے ساتھ رخصت ہوگئیں۔

''پہلے اسے سیٹ کرلو۔ پھر باقی کے کام کرنا'' جمائی روکتے ہوئے سمیلہ نے لاؤنج کی جانب اشارہ کیا، وہ سست روی سے ایک ایک چیز ٹھکانے لگانے لگی۔ رات کافی ہو چکی تھی۔ متواتر کام کرنے کی وجہ سے سردی کا احساس مٹ گیا تھا۔

بارہ بجے وہ کچن کے سنک میں برتنوں کے ساتھ نبرد آزما تھی جب کھٹکے کی آواز پر مڑ کر دیکھا۔

''برتن دھل جائیں تو میرے کمرے میں آ جانا، سال لگا دیتی ہو ایک کام میں۔'' عالیہ بیگم حکم صادر کر کے واپس ہولیں۔

''آپ نہ بھی کہتیں تو بھی میں آپ کے کمرے میں'' کوئی اور کام

ہے؟'' پوچھنے ضرور آتی بصورت دیگر میری خیریت مشکوک ہو جاتی'' ٹھنڈی ٹھار سانس بھر کے اس نے سرعت سے برتن دھوئے اور پھر خشک کر کے رکھ بھی دیے۔ آنکھیں تھیں کہ فریادی بنی ہوئی تھیں۔ ذہن بار بار دھند کی لپیٹ میں آ رہا تھا۔ وہ دونوں کو نظر انداز کیے دبے پاؤں دستک دے کر عالیہ بیگم کے کمرے میں داخل ہوئی۔

ملک عبدالواحد کسی فائل میں سر دیے راکنگ چیئر پر بیٹھے تھے۔ ''آؤ آؤ روفا بیٹا! کوئی کام تھا کیا؟'' وہ اس سے بہت کم مخاطب ہوتے تھے مگر جب بھی ہوتے لہجہ شیریں ہی ہوتا۔

''میں نے بلایا ہے، تھوڑی دیر میری ٹانگیں دبا دے...... صبح سے یہاں وہاں چل چل کے اکڑ گئی ہیں۔'' عالیہ بیگم نے چہرے پر غضب کے دردناک تاثرات طاری کر لیے تھے۔ روفا خاموشی سے ان کی ٹانگیں دبانے لگی۔

''صبح سے چل چل کے'' والی بات روفا سے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ شاید بار بار آئینے کے سامنے چل کے آنا پڑتا ہو۔ ورنہ تو ان کا ٹائم صوفے پر بیٹھے بیٹھے گزرتا تھا۔

''زور سے دباؤ...... جان نہیں ہے کیا ہاتھوں میں۔ یوں دبا رہی ہے گویا کھجلی کر رہی ہو۔ مکے مارو پنڈلیوں پر......'' وہ عالیہ بیگم کی شاندار ایکٹنگ پر داد دیے جا رہی تھی، دل ہی دل میں، جب انہوں نے چنگھاڑ کر کہا۔ روفا پوری قوت سے ان کی پنڈلیوں پر مکے مارنے لگی۔

''اللہ......!'' چند سیکنڈ برداشت کرنے کے بعد عالیہ بیگم نے اس کو ٹانگ دے ماری۔ وہ اس افتاد کے لیے کہاں تیار بیٹھی تھی۔ پتا نہیں کس جہان کی سیر کر

رہی تھی کہ دھڑام سے زمین پر آ گری۔

''مکے مارنے کا کہا تھا۔ ہتھوڑے برسانے کا نہیں۔ توبہ، ساری ٹانگوں میں سنسنی دوڑا دی۔ پتا نہیں کس بات کا انتقام لے رہی۔ اب کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہے، جاؤ نکلو مرو، اپنی یہ لٹکتی بوتھی لے کر منحوس کہیں کی'' حسب توقع ان کے منہ سے پھلجڑیاں پھوٹنا شروع ہو گئیں۔ وہ سر جھکائے ان کے بیڈ روم سے نکل آئی۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔ وہ سویٹر کے بازو ہاتھوں تک لمبے کرتی اپنے کمرے میں آئی۔

گھر میں ایک بڑا سا اسٹور ہونے کے باوجود بھی اس کمرے میں دنیا جہاں کا کاٹھ کباڑ پڑا تھا جس میں جگہ بچا کے اس کا چھوٹا سا پلنگ رکھ دیا گیا تھا۔ شعور سنبھالتے ہی اس سے اس کمرے میں پھینک دیا گیا تھا۔ جہاں ہوا بھی آنے سے خوف کھاتی تھی۔ چھت پر پنکھے کے نام پر ایک چھوٹی سی پنکھی لٹک رہی تھی کہ جو گرمیوں میں اس کے ضبط کا امتحان لیتی تھی۔

''تو یہ دن بھی اختتام کو پہنچا'' بستر پر گرتے ہی اس نے پنکھی کو مرکز نگاہ بنا کر سوچا۔ ''اللہ میاں اور کتنے دن باقی ہیں ابھی...... اور کتنی سانسیں باقی ہیں ابھی۔ وقت ٹھہر سا کیوں گیا ہے آگے بڑھتا ہی نہیں...... کب میری مشقت کے دن ختم ہوں گے......؟ کب......؟ کاش اللہ میاں، تو نے مجھے بھی امی بابا کی طرح اپنے پاس بلوا لیا ہوتا۔ کاش...... اے کاش!'' ہر رات کی طرح اللہ سے دل کی باتیں کرتی، اپنی آتی سانسوں کا شمار کرتی بالآخر وہ نیند کی وادی میں پہنچ گئی۔



صبح کا ٹائم اس کا آدھا خون نچوڑ کے رکھ دیتا تھا۔ ہر طرف ''روفا...... روفا'' کی پکار ہوتی اور اس کی بوکھلاہٹیں ہوتیں۔ اس وقت بھی وہ کچن سے ڈائننگ روم اور وہاں سے پھر کچن میں دوڑیں لگا رہی تھی۔

''میرے لیے آج میٹھا پراٹھا بنانا، یہ سلائس نہیں کھائے جا رہے مجھ سے'' عالیہ بیگم کے سیکنڈ لاسٹ پیس عون نے آرڈر بہ آواز بلند پہنچایا۔

''اللہ میاں ہیلپ...... پلیز ہیلپ'' آملیٹ تلتے ہوئے اس نے سرگوشی سی کی۔ سب کی پسند مختلف ہوتی تھی۔ اسی حساب سے اس کا ٹائم بھی خرچ ہوتا تھا۔ آملیٹ اور پراٹھا ماموں کے سامنے رکھ کے وہ واپس کچن میں پلٹی اور عون کے لیے پراٹھے کی تیاری کرنے لگی۔

''ہاف بوائل ایگ چاہیے، پہلے ہی لیٹ ہو چکی ہوں'' ٹپ ٹاپ سے تیار ہوئی سمیلہ نے عجلت دکھائی۔

''ہری اپ روفا...... میرا بریک فاسٹ......'' حسنہ نے بھی کرسی دھکیل کر بیٹھتے ہوئے حلق پھاڑا۔ اس نے چائے کا پانی چڑھانے سے پہلے حسنہ کے سامنے بھی آملیٹ اور پراٹھا رکھا۔

''میری باری کب آئے گی؟''

''بس ابھی لاتی ہوں'' عون کی دہاڑ نے اس کے اندر برق سی دوڑا دی۔

سب کے من پسند بریک فاسٹ ان تک پہنچاتے پہنچاتے ہمیشہ کی طرح وہ آدھی ہو چکی تھی۔ تقریباً سبھی ناشتے میں پراٹھا لازماً لیتے تھے۔ اس کا زیادہ ٹائم تو پراٹھے بنانے میں لگ جاتا تھا۔ حتیٰ کہ عالیہ بیگم بھی اس لمحے اعلیٰ سوسائٹی کے رجحانات ایک سائڈ پر رکھے جی جان سے ناشتے میں مگن ہو کر دو پراٹھے تو ضرور ہی اڑا جایا

کرتی تھیں۔

''ارے جلدی لاؤ' مصیبت کہیں کی...... قسمت کی ستم ظریفی کہ صبح سویرے اٹھ کر تم جیسی منحوس کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ سارا دن خجل خوار گزرتا ہے۔ ابھی چکو اب۔ صبح صبح ہی تمہارا دم خم کہیں رخصت ہو جاتا ہے۔ خان زادی پلنگوں پر بیٹھنے کے خواب دیکھتی رہتی ہے ہر وقت......''

''پھپھو......! ناشتا!'' سرعت سے عالیہ بیگم کا مطلوبہ ناشتا ان تک پہنچا کر اس نے ان کی چلتی زبان کے آگے بند باندھا تھا...... اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے وہ بمشکل چپ ہوئیں۔ روفا گہری سانس کھینچتی واپس کچن کی سمت ہولی۔ ناشتے کے وقت ڈانٹ پھٹکار کی یہ ڈوز اس کی آدھی بھوک مٹا دیتی تھی۔

''ہی ہی ہی'' سکینہ صرف آ ہی نہیں چکی تھی بلکہ ناشتا بھی کر رہی تھی، اسے دیکھتے ہی خواہ مخواہ بتیسی نکالنے لگی۔

''مجھ سے زیادہ اختیارات کی مالک تو یہ ملازمہ ہے'' اسے سلائس اڑاتے دیکھ کر روفا کی دلگرفتگی قابل دید ہوگئی۔ ''شاید میں اس سے بھی کم درجہ ہوں۔ انتہائی حقیر، زمین پر چلنے والے کیڑے سے بھی زیادہ فالتو...... پتا نہیں اللہ میاں نے مجھے کیوں پیدا کیا؟ ایک بے مصرف زندگی گزار رہی ہوں میں'' روز کا معمول تھیں یہ سوچیں اور سوچنے والا دماغ بھی۔

سب سے آخر میں اس نے گنے چنے نوالے بھاگ بھاگ کر کھائے تھے۔ اس کے بعد روٹین کے کام تھے، سکینہ کی بڑھکیں تھیں اور وہ تھی۔ ایک لمبا اور کٹھن دن شروع ہو گیا تھا۔ ہمیشہ کی طرح جو اسے تھکا تھکا

ڈالتا۔

• • •

''میں کہتی ہوں شرافت کے ساتھ واش روم میں گھس جاؤ' نہیں تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا'' دانیہ نے کئی بار کی دی گئی دھمکی دوبارہ دُہرائی۔

''وہ تو سبھی مانتے ہیں کہ آپ سے برا کوئی نہیں اور یہ کیا کہا آپ نے' شرافت کے ساتھ...... اور وہ بھی واش روم میں گھس جاؤں...... بابا کی جانب سے کوئی دفعہ لگائی ہے کیا مجھ پر؟'' بلاول نے باقاعدہ منہ میں انگلی دبا کر حیرانی ظاہر کی۔

''شرم آنی چاہیے تمہیں...... دو دن ہو چکے تمہیں نہائے ہوئے۔ پتا نہیں اسکول میں سب تمہیں اپنے قریب کیسے پھٹکنے دیتے ہیں؟'' وہ برے برے منہ بنا کر بولی۔

''مائی ڈیئر آپی! اسکول والے تو مجھے گلے کا ہار بنائے رکھتے ہیں'' بلاول نے کالر کھڑے کر لیے۔

''گلے کا ہار نہیں...... گلے پڑا ڈھول۔ جسے وہ وقت بے وقت بجاتے رہتے ہیں۔'' بلاول سے پانچ منٹ چھوٹا جڑواں سجاول بولا۔

''حدِ ادب...... تم نے کیوں ہماری گفتگو میں انٹری دی؟'' بلاول نے رخِ روشن اس کی سمت کیا۔

''آپی کو یہ بتانے کے لیے کہ آپ جناب کو نہائے ہوئے دو دن نہیں بلکہ پورے پانچ دن ہو چکے ہیں۔''

''کیا......؟'' سجاول کی اطلاع پر دانیہ قریب مرگ ہو گئی۔

''جی ہاں...... اور اگر انہیں امی کا ڈر نہ ہو تو یہ ساری سردیاں نہ نہائیں۔''

''یو...... غلیظ مینڈک!'' دانیہ کو سخت صدمہ پہنچا تھا ''کھڑے ہو جاؤ...... واش روم میں گھسو نہیں تو میں بابا سے کہلوا کر تمہارا جیب خرچ بند کروا دیتی ہوں۔ توبہ...... تبھی میں کہوں، تمہارے آنے سے کمرہ مہک کیوں اٹھتا ہے؟''

''یہ پیدائشی خوشبو ہے آپی، جو ہم جیسے درویشوں سے آتی رہتی ہے۔''

''درویشوں سے نہ کہو...... جمعداروں، بھنگیوں سے......''

''خاموش گستاخ!'' بلاول نے گرج کر کہا۔ پھر دانیہ کو گھورتے ہوئے دیکھا تو سر جھکائے واش روم میں گھس گیا۔

''پتا نہیں یہ غلیظ کس پر چلا گیا۔ اس کا بس نہیں چلتا ورنہ تو یہ منہ بھی نہ دھوئے، سردیوں میں'' وہ برآمدے میں پڑے اماں کے قدیم مگر قیمتی تخت پر بیٹھ گئی۔ اماں باہر صحن میں رنگین پایوں والی چارپائی پر لیٹی ہوئی تھیں۔ شور شرابا سن کر ان کے پاس آ گئیں۔

''کیا ہوا، کیوں بھونچال مچا رکھا ہے؟'' ابھی دانیہ انہیں جواب دیتی کہ بلاول دانت بجاتا، کانپتا، لرزتا واش روم سے برآمد ہوا۔

''اوہ...... و...... و'' اس کے منہ سے بے ہنگم آوازیں نکل رہی تھیں۔ دانیہ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی کہ جسے گئے دو منٹ بھی نہیں ہوئے تھے۔

''کم بخت سردیاں...... کبھی بھی نہ آئیں۔ مجھے تو نگل جاتی ہیں۔ اس لیے تو مجھے اچھی نہیں لگتیں۔''

"روزانہ زبردستی نہانا جو پڑتا ہے؟" سجاول نے فقرہ پورا کیا۔

"یہ تم نہا کر آئے ہو؟" دانیہ حسب عادت اس کا ایکسرے کرنے میں جت گئی۔ "بال تمہارے ویسے کے ویسے خشک ہیں، نہائے کیسے ہو تم؟"

"رکیں آپی! میں باتھ روم دیکھ آؤں، گیلا ہوا ہے یا نہیں؟" کہتے ہی سجاول نے باتھ روم جانے میں دیر نہیں لگائی۔

"دیواریں اور فرش خشک ترین۔ ویسے اچھا تو یہی تھا کہ آپ شرافت کو ہی ساتھ روانہ کر دیتیں اور نہیں تو اس کے جسم پر پانی سے مالش ہی کر آتا۔ کچھ بھیگ تو جاتے محترم!" سجاول کی بولتی چالو ہو گئی تھی۔

"خاموش گستاخ!" بلاول کا لرزنا جاری تھا۔

"دور ہٹ کے بیٹھو مجھ سے۔ اتنی گندی بو آ رہی ہے تمہارے پاس سے" دانیہ نے دانت پیس کر گود میں گرتے بلاول کو دور پٹخا۔

"اچھا تو یہ بات ہے" بلاول نے جھٹ منہ پر ہاتھ پھیرا "پھر نہ کہیے گا میری وہ چیز لے آؤ، میری یہ چیز لے آؤ۔"

"نہیں کہوں گی۔"

"دانیہ...... چائے ملے گی گڑیا؟" سلال اپنے کمرے میں سے باہر آ گیا تھا۔

"لیجیے آ گئے آپ کے صاف ستھرے بھائی۔ صبح شام نہاتے ہیں۔ انہی سے کہا کریں بازار سے چاٹ لے آئیں۔ وہی بڑے لے آئیں۔ گول گپے لے آئیں۔ دوستوں کے گھر بھی یہی چھوڑ آئیں گے آپ کو، ٹھیک ہے۔" بلاول نے پھولے منہ کو مزید سجا کر سلال کی جانب اشارہ کیا۔ جو نکھرا نکھرا سا کاملہ بیگم کو بہت

پیارا لگ رہا تھا۔

"ارے واہ!" دانیہ نے چہک کر کہا "میرے اتنے بڑے، اعلیٰ پوسٹ کے افسر بھائی ریڑھیوں پر جائیں گے۔ میں بھوکی پیاسی نہ رہ جاؤں" سلال دلچسپی سے چھوٹے بہن بھائیوں کی نوک جھوک سننے لگا۔

"اس کا مطلب ہے میں بھی سی ایس پی آفیسر لگ جاؤں۔ بلکہ بلاول بھی، پھر آپ ہمیں تو نہیں بھیجیں گی ریڑھیوں پر...... اور چٹ پٹی چیزوں کے بغیر آپ رہ نہیں سکتیں۔ کون لے کر آئے گا آپ کا مال متاع؟"

"پھر ان کے وہ لے آئیں گے ناں!"

"سجاول......" سلال نے بے اختیار اسے ٹوکا۔ وہ خفت سے سر جھکا کر رہ گیا۔

"چائے!" دانیہ نے کپ سلال کو تھمایا۔

"تھینک یو! میری پیاری گڑیا سی بہنا۔" وہ شفقت سے مسکرا کر بولا۔

فون کی بیل پر سجاول کو اٹھنا پڑا تھا۔

"اماں...... عالیہ خالہ کا فون ہے" اس نے دور سے ہانک لگائی۔

"آئے ہائے، تو لے آؤ میرے پاس۔ اتنے دنوں کے بعد فون کیا ہے میری بہن نے۔"

"آپ خود کر لیا کریں ناں! کون سا آپ کی جیب سے بل جاتا ہے" انہیں کارڈلیس تھماتے ہوئے سجاول نے مفت مشورہ دیا۔ اب یقیناً طویل ترین گھریلو ٹاپک پر گفتگو ہونی تھی۔ دانیہ، سجاول اور بلاول ایک ایک کر کے وہاں سے اٹھ گئے۔ جبکہ سلال حیدر شاہ کافی دیر تک اپنی اماں کے پاس بیٹھا ان کی گفتگو سنتا

رہا۔ جو وہ عالیہ بیگم سے ہمدردی جتنا کر روفا کی ذات کے بخیے ادھیڑ کر گویا عالیہ بیگم کو تسکین پہنچانے کے لیے کر رہی تھیں۔

● ● ●

وہ کون تھی.....؟ کوئی پری تھی.....کوئی اپسرا تھی..... آسمان سے اُتری ہوئی کوئی حور تھی.....اس جہاں کی تو لگتی ہی نہیں تھی۔ ملک احتشام علی پل بھر میں اپنا آپ اسے دان کر بیٹھے تھے۔ اتنے مضبوط، کڑیل جوان ہو کر وہ اس نازک اندام مہ وش کے آگے ہار گئے تھے اور کیوں نہ ہارتے۔ وہ جیتنے کے لیے ہی تو نظر آئی تھی انہیں اور یہ کیسی بے اختیاری تھی کہ محض اس پری وش کی ایک جھلک دیکھنے کی خاطر انہوں نے ہفتے میں کئی چکر ہارون کے گھر کے لگا ڈالے کہ وہ بھی مشکوک ہو گئے۔

''دال میں کچھ کالا پیلا ہے یار! تو روز آنے لگا ہے۔''

''یہ میری محبت ہے'' ہارون کو ٹالنے کے لیے انہوں نے یونہی کہا۔

''تمہاری محبت اس ایک ہفتے کے دوران ہی کیوں جوان ہوئی ہے۔ میں تو پچھلے کئی سالوں سے تمہارے ساتھ ہوں۔ ایسے عملی مظاہرے پہلے کبھی نظر نہیں آئے'' ہارون مسلسل انہیں کرید رہے تھے۔ اب وہ کیا بتاتے کہ وہ یہاں پر اپنی آنکھیں سیراب کرنے آئے ہیں۔ کسی کی دید کی خاطر؟ خود کو سیر کرنے آئے ہیں، اپنی پیاس بجھانے آئے ہیں۔

''کیا وجہ ہے آج کل تمہارا رنگ بھی گرگٹ کی طرح بدل بدل جاتا ہے'' مجھ سے ڈسکس نہیں کرو گے؟''

''یار.....'' احتشام نے زچ ہو کر کہا ''صرف تم سے ہی کروں گا۔ ذرا خود کو تیار کر لوں'' انہوں نے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے اپنے اضطراب پر قابو پانا چاہا۔

''اب بول بھی چکو، میرے پیٹ میں مروڑ اٹھ رہے ہیں۔''

''وہ.....پچھلے منگل صبح نو بجے کے قریب وائٹ اور یلو کلر کا سوٹ پہنے تمہارے گھر آئی تھی۔ یونہی میری نظر اس پر پڑ گئی۔ کون تھی وہ؟'' بالآخر کہہ ڈالا۔ سننے کے بعد ہارون نے گہری سانس کھینچی اور انہیں گھورنے لگے۔

''کیا ہوا.....تم ناراض ہو گئے؟'' احتشام کچھ نروس سے ہو گئے۔

''نہیں یار..... وہ ستارہ کی دوست ہے۔ زینب..... اکثر آتی رہتی ہے۔ نہ معلوم کیسے تمہاری نظر اس پر پڑ گئی۔ خاصی باپردہ قسم کی ہے۔ ہمیشہ بڑی سی چادر اوڑھ کر ہی آتی ہے۔ کبھی اسے بے پردہ نہیں دیکھا لیکن احتشام تم......''

''بس.....'' انہوں نے ہاتھ اٹھا کر ہارون کو روک دیا ''شکریہ تم نے اتنی معلومات دیں۔ آگے کچھ مت کہنا۔ وقت اور حالات کو اپنی مٹھی میں کرنا مجھے آتا ہے۔ بے فکر رہو۔''

''خیال رکھنا، بہت شریف اور سادہ ہے۔ دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ ایک منہ بولی خالہ ہیں جو فرعون سے کم نہیں۔ تمہارے ارادے اس کے لیے مشکل امتحان نہ بن جائیں پہلی نظر کی محبت کا نشہ جلدی نہ اتر جائے۔''

''ایسا لگتا ہوں تمہیں؟'' وہ شاکی نظروں سے ہارون کو دیکھ کر رہ گئے۔ ''میری محبت کے رنگ کچے نہیں۔ لکھ کر رکھ لو...... پہلی نظر کی ہو چکا ہے دوسری نہیں۔ ہمیشہ تروتازہ اور سدا بہار رہے گی۔ بس تم میرا ساتھ دو۔''

"حاضر!" ہارون سینے پر ہاتھ رکھ کر ذرا سا جھک کر بولے تھے۔

● ● ●

"عائلہ" کی آمد اسے ہمیشہ کی طرح خوف میں مبتلا کر گئی۔ بے شک اس کئی ایکڑ پر پھیلے گھر میں کوئی بھی خونی رشتہ ایسا نہیں تھا جس کے دل میں اس کی خاطر نرم قسم کے جذبات ہوں۔ لیکن "عائلہ ملک" ان کی زبان ہی کیا آنکھیں بھی روفا کو آر پار محسوس ہوتی تھیں۔ قہر برساتی آنکھیں، چھید کرتی آنکھیں۔

روفا ہر ممکن کوشش کرتی تھی کہ اس کا سامنا ان سے زیادہ نہ ہو۔

پر نہ جانے کیوں اسے اذیت، تکلیف، بے سکونی دے کر عائلہ ملک کو کون سا سکون ملتا تھا کہ وہ اسے کونے کھدرے میں سے بھی ڈھونڈ نکالتی تھیں۔

اپنا ایک ایک کام اس سے کرواتیں۔ یہی نہیں عالیہ بیگم کے سامنے بھی ضد کرتی تھیں کہ سکینہ کو چھٹی دے کر اس کے حصے کے کام بھی روفا سے ہی کروایا کریں۔ نہ معلوم کیسا زہر بھرا ہوا تھا ان کے اندر اس کے خلاف کہ وہ اسے نظروں کے نشتروں سے ہی چھلنی کر دیا کرتی تھیں۔

"چھوٹی پھپھو کافی لے لیجیے" آنکھیں موندے ایزی چیئر پر جھولتی عائلہ ایک جھٹکے سے سیدھی ہو گئیں۔ ناگواری کا شدید تاثر ان کے چہرے پر رک گیا تھا۔

"رکھ دو یہاں اور میرا سر دباؤ......" سختی سے حکم دیا۔ روفا نہایت نرمی سے ان کا سر دبانے لگی۔ عائلہ ملک کے اندر طوفانی لہریں یہاں وہاں ٹکرا رہی تھیں۔

"تم...... تم اس ناگن کی اولاد ہو نا...... صرف اس کی بیٹی...... خدا کی

قدرت کہ تم اس محل میں پل رہی ہو۔ میری آنکھوں کے سامنے، مجھے ہر لمحہ نئی آگ میں جھونکنے کے لیے...... تم یہاں رہ گئیں......" اچانک ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ غرائی تھیں۔ ہمیشہ روفا ان کے سامنے کمزور پڑ جاتی تھی۔ اس وقت بھی خوف کی ایک شدید لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی تک میں سنسنا گئی تھی۔ عائلہ ملک کی گرفت اس کی کلائی پر انتہا سے زیادہ سخت ہو گئی۔ روفا کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔

"پھپھو! میرا قصور کیا ہے؟"

"بکواس...... بک بک کرتی ہے میرے آگے" ان کا تھپڑ اس کے حواس جھنجنا گیا۔ "زبان کھولتی ہے میرے آگے۔ نکال باہر کر کے آگ میں ڈال دوں گی۔ سمجھی...... نظریں نیچی کر...... نیچی کر نظریں۔" اس نے آنکھیں ہی بند کر لیں۔

"میرے لیے اور کافی بنا کر لے آؤ۔ ٹھنڈی ہو گئی ہے یہ" کلائی چھوڑ کر انہوں نے رخ پھیر لیا۔ لمبے لمبے سانس کھینچتی وہ خود کو کمپوز کرنے میں سرگرداں تھیں۔ روفا سسکیاں دباتی کچن میں چلی آئی۔ کلائی پر انگلیاں گویا پیوست ہو گئی تھیں۔ وہ روتے روتے کافی بنانے لگی۔

"میرے کپڑوں پر کلف لگانا ہے۔ ابھی اور اسی وقت لگا دو" روفا کے لیے یہ حکم نامہ نیا نہیں تھا۔ اگرچہ ساڑھے گیارہ سے اوپر کا ٹائم تھا لیکن عائلہ اسے رات کے ڈھائی بجے بھی جگا کر اپنے لیے چائے کافی بنوایا کرتی تھیں۔ ابھی تو ساڑھے گیارہ بجے تھے۔ ایک لحاظ سے مہربانی ہی تھی ان کی کہ ابھی بتا رہی تھیں۔ ان سے کوئی بعید نہیں تھی، رات کے تین بجے اٹھا کر کلف لگواتیں، روفا ان کی پھیلی ہوئی قدرے ڈراؤنی نظر آتی آنکھوں سے نظریں چرا کر حکم کی تعمیل کرنے چل دی۔ سمیلہ اور حسنہ اتنی رات کو لان میں اکیلے کبھی قدم دھرنے کا بھی نہ سوچیں اور

وہ اس وقت اندھیرے سے بے نیاز چھوٹی پھپھو کے کپڑوں کو کلف لگا کر لٹکائے جا رہی تھی۔

•••

مبارک بادیں وصول کر کر کے دانیہ کی باچھیں کھلی پڑ رہی تھیں۔ بی اے پاس کر کے وہ خوشی سے بے حال ہوئی جا رہی تھی۔ ''یوں خوش ہو رہی ہیں جیسے چاند پر قدم رکھ آئی ہوں یا امریکا تسخیر کر آئی ہوں۔'' بلاول اس کی شمالاً جنوباً پھیلی باچھیں دیکھ کر تقریباً تنگ آ کر بول تھا۔

''ہاں تو ان کے لیے بی اے پاس کر لینا بھی چاند پر جانے کے مترادف ہے۔ سمجھا کرو ناں!'' سجاول نے آنکھ مار کر کہا۔ دانیہ نے جیسے قسم کھا رکھی تھی کہ ان کی کسی بھی بات کا جواب نہیں دینا۔

رات کے نو بج رہے تھے اور وہ سب گھر والے ماسوائے سلال کے ہال کمرے میں گپ شپ لگانے کے لیے بیٹھے ہوئے تھے۔ فون کی بیل پر سبھی کے کان کھڑے ہوئے۔ دانیہ کی مسکراہٹ مزید دو آتشہ ہو گئی۔ آج کل ہر آنے والا فون اسے مبارک باد دینے کے سلسلے میں ہی ہوتا تھا۔

''اماں...... عالیہ خالہ کا فون ہے۔ آپ کی صاحب زادی پاس ہو گئیں...... بحیرۂ ہند عبور کر لیا۔ مبارک باد دے رہی ہیں'' سجاول نے ریسیور کان سے لگائے لگائے دور سے ہی ہانک لگائی۔ دانیہ نے سرِ تسلیم خم کر کے غائبانہ شکریہ ادا کیا۔

''آئے ہائے...... خود ہی حال احوال کرتے جاؤ گے، میرے پاس لے

آؤ۔ دو باتیں میں بھی کر لوں'' کاملہ بیگم سجاول کے فون سے چمٹ جانے سے سخت عاجز تھیں۔

''لیجیے، آپ کی دو باتیں دو گھنٹوں پر محیط ہوتی ہیں۔ کر لیجیے'' انہوں نے گھور کر سجاول کو دیکھا۔

''بہت بہت خیر مبارک...... تم کو بھی'' حسبِ معمول بہن سے بات کرتے ہی لہجہ کھنکنے لگا تھا۔ بلاول لمبی سی جمائی لے کر وہیں قالین پر دراز ہو گیا۔ گفتگو کا دورانیہ خاصا طویل ہوتا تھا خواہ مخواہ بیٹھ کر کر تو اکڑانے سے رہا۔ البتہ دانیہ ماں کے ساتھ ٹک کر بیٹھ گئی۔

''ہاں، ہاں ارادے تو ہیں۔ ان کے بابا کہہ رہے تھے کہ کہ ملتان میں داخلہ دلوا دیں گے، وہیں ایم اے کرے گی۔ ارے ہاں، تم لوگوں کے ہاں ہی رہے گی۔ سگی خالہ کے ہوتے ہوئے ہاسٹل کی دال روٹی نہیں کھا سکتی'' دانیہ نے باقاعدہ ان کی پیٹھ تھپکی۔

''بس کچھ دنوں میں آ جائے گی۔ سلال چھوڑ جائے گا۔ تم نے فون کر لیا، یہی کافی ہے۔ اتنی مصروف جو رہتی ہو۔ مجھے اندازہ ہے تمہاری مصروفیت کا...... ارے نہیں بھئی...... کاملہ بیگم کے ہر ہر انداز سے محبت ٹپک رہی تھی۔

''ہاں ہاں، ضروری تو نہیں ہے کہ خود چل کر آؤ...... دانیہ آ جائے گی ناں تمہارے پاس، وہیں گلے لگا لینا، ہاں بہت خوش ہے'' دانیہ کی بتیسی کچھ اور نکل آئی۔ اچھی خاصی شکل ہونق لگ رہی تھی۔ کاملہ بیگم کو ہنسی آنے لگی۔

''کل رات بڑے بھائی کا فون آیا تھا۔ دانیہ کو مبارک باد دے رہے تھے۔ اچھا تمہاری طرف بھی آیا تھا...... عائلہ آ گئی؟'' انہوں نے اچانک پوچھا۔

''اچھا نہیں، بس اسے سلام کہہ دینا...... دانیہ کی طرف سے بھی ٹھیک ہے، بس میری بیٹی ڈھائی سالوں کے لیے تمہارے پاس میری امانت ہو گی...... ہاں، کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے میری بچی کو۔ اچھا بھئی، ٹھیک ہے، پھر دعا سلام دینا بچوں کو۔''

خدا حافظ کہہ کر انہوں نے کارڈلیس دانیہ کو تھمایا۔

''اٹھ جاؤ محترم! تمہارا اسٹیشن آ گیا'' دانیہ نے بلاول کو ہاتھ مار کے کہا۔

''ہائیں کیا کہا؟ صبح ہو گئی......او گاڈ! اتنی لمبی کال!'' وہ سر ہلانے لگا۔

''اچھا، تمہیں کیوں برا لگ رہا ہے۔ بہن ہے وہ میری......اب اس سے بھی بات نہ کروں...... بے چاری کبھی کبھی تو مصروفیت میں سے وقت نکال پاتی ہے۔''

''پرویز مشرف کی مشیر خاص جو ہیں......مم......میرا مطلب ہے'' اماں کا گھورنا دیکھ کر بلاول نے فوراً پینترا بدلا ''ہر دم کیا کریں۔ روز روز کیا کریں آخر ہمارے بابا لینڈ لارڈ ہیں، مل اونر ہیں۔ اتنا پیسہ ہے گھر میں......کہاں خرچ کریں گے، فون کے بل پر ہی لگنا ہے۔''

''ہماری پیاری بہنا یہاں سے رخصت ہو جائے گی۔ قسم سے میں تو جوگی بن جاؤں گا۔ یہ اتنا بڑا سارا گھر تو مجھے کاٹ کھانے کو دوڑے گا۔'' بلاول نے کہا۔

''کوئی بات نہیں؟'' بلاول کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے شیریں لہجے میں کہا ''تم مجھے روزانہ فون کر لینا۔''

''ٹھیک ہے؟ صبح کے ٹائم اماں اپنی بہن سے بات کریں گی۔ رات کے ٹائم میں اپنی بہن سے......زمینوں کی آمدنی اس بل پر لگا دیں گے۔''

''دفع دور۔'' کاملہ بیگم نے دو ہتڑ جڑ کر کہا۔

''ہائے اماں!'' وہ تقریباً دہرا ہو گیا۔ ''کیا غضب کی پاور ہے۔ پوری باڈی ہل گئی۔ آپ تو پاکستانی اسپائیڈر مین بن جائیں۔''

''وہ کون بلا ہے؟'' وہ جی بھر کر حیران ہوئیں۔

''حیرت ہے، آپ عالیہ خالہ سے دنیا کی ایک ایک بات کرتی ہیں۔ انہوں نے آپ سے اس فلم پر تبصرہ نہیں کیا؟ پرسوں آپ لڑکی پنجابن پر تو سیر حاصل تبصرہ کر رہی تھیں فون پر۔''

''آئے ہاں۔ وہ میں نے پچھلے ہی ہفتے دیکھی ہے، بڑی اچھی فلم ہے۔''

''تو ٹھیک ہے......عالیہ خالہ کے لیول کی انگریزی فلمیں بھی دکھا دوں گا آپ کو تا کہ دونوں طرف سے تبصرہ ہو تو کچھ مزہ آئے۔ چونکہ کال مزید لمبی ہو جائے گی سو کاٹن فیکٹری کا سارا منافع بھی ٹیلی فون بل پر۔''

''ہائے میری اماں!'' کاملہ بیگم نے باقاعدہ سر تھام لیا ''پتا نہیں کون سی گھڑی تھی جب تم دونوں پیدا ہوئے تھے۔''

''انتہائی با سعادت گھڑی تھی'' دونوں نے احتراماً کہا۔ دانیہ خلافِ معمول مسکرانے پر اکتفا کیے ہوئے تھی۔ کاملہ بیگم یونہی منہ پھلائے بیٹھی رہیں۔

• • •

اُونچے لمبے بے حد دلکش وجیہہ شخصیت کے مالک سید سلال حیدر شاہ کو دیکھ کر عالیہ بیگم نظر اتارتے نہیں تھک رہی تھیں۔ سی ایس ایس کا ایگزام پاس کرنے کے بعد وہ بطور ایس پی خانیوال تعینات ہوا تھا۔ اس سے پیشتر بھی بوجہ

پڑھائی وہ کافی عرصہ لاہور میں مقیم رہا جس کی وجہ سے رشتے دار، عزیز اس سے کم ہی مل پاتے تھے۔ حسنہ اور سمیلہ اس کی شاندار و بارعب شخصیت کے زیر اثر دبی دبی سی بیٹھی تھیں۔

''ماشاءاللہ، خدا نظر بد سے بچائے، تم نے تو خوب قد کاٹھ نکالا۔''

''آپ مجھ سے کافی عرصے کے بعد جو مل رہی ہیں'' اس نے شگفتگی دکھائی۔

''بھئی، ہم تو وقتاً فوقتاً تمہارے گھر آتے رہے ہیں۔ تم ہی نوکری کی وجہ سے غیر حاضر رہتے تھے۔ کبھی اس شہر ٹرانسفر ہوتے تھے تو کبھی اس شہر۔''

عالیہ بہت پیار اور نرمی سے اسے دیکھ کر بولیں۔ ''اب ایسی بھی کیا مصروفیات۔ کم از کم کبھی کبھی سگی خالاؤں کو سلام کرنے ہی آ جایا کرتے'' شکوہ چونکہ بجا تھا سو وہ دھیمے انداز میں مسکراتا رہا۔

''خالہ جان! اب ادھر بھی توجہ دیجیے...... میں بھی آپ کی ایک اکلوتی بھانجی ہوں، بالآخر دانیہ کو احتجاجاً کہنا پڑا۔ دونوں خالائیں بے اختیار ہنس پڑیں۔

''ارے، تم کوئی بھولنے والی چیز ہو۔ میری جان ہو جان!'' عالیہ بیگم کے کہنے کی دیر تھی، وہ سلال کے پاس سے اٹھ کر ان کے قریب نہ صرف بیٹھ گئی۔ بلکہ لاڈ جتانے کے لیے گلے میں بانہیں بھی حمائل کر دیں۔ عالیہ بیگم نے محبت کی سند کے طور پر چار بوسے جواباً لے ڈالے۔

سمیلہ اور حسنہ کی توجہ و دلچسپی کا مرکز صرف اور صرف سلال تھا۔ دونوں کو یہ بات سر سے پیر تک نہال کر گئی تھی کہ وہ نہ صرف ایک ہینڈسم ترین بلکہ پرکشش عہدے پر فائز کزن کی مالک ہیں۔ ددھیال میں تو جتنے بھی کزن تھے، وہ یا تو شیر

خوار تھے یا پھر نرے جاہل۔ دوستوں پر انہیں برتری جتانے کا ایک اور موقع ہاتھ آیا تھا، وہ کیسے ہاتھ سے جانے دیتیں۔ اگرچہ سلال ان سے روٹین کے سوال جواب کر کے اب عالیہ بیگم، عائلہ اور ملک عبدالواحد کی جانب متوجہ تھا لیکن دونوں بہنوں کے لیے یہی روٹین کے سوالات ہی شکر کا سا کام کر گئے تھے۔ دونوں انتہائی دلچسپی سے سلال کی گفتگو کا ایک ایک لفظ حفظ کر رہی تھیں۔

''چائے کب آئے گی بھئی؟'' گفتگو کا سلسلہ روک کر ملک صاحب نے یاد دلایا۔

''یہ لڑکی......'' عائلہ نے بے اختیار دانت پیس ڈالے۔ دانتوں بیچ روفا ہوتی تو یقیناً اس کا قیمہ بن جانا تھا۔

''حسنہ دیکھنا ذرا...... کچن میں سوگئی ہے یا پائے بنا رہی ہے'' ان کا بس نہیں چل رہا تھا، روفا سامنے آ جائے اور وہ اس کی گت بنا دیں۔ عالیہ بیگم بھی غصیلے تاثرات چھپانے میں ناکام ہو رہی تھیں۔ حسنہ کو ناچار اٹھنا پڑ گیا۔

''مر گئی تھیں کیا؟ اتنی دیر ہو گئی...... سلال بھائی نے واپس بھی جانا ہے۔ چولھے کو گلے لگا کر ہوش ہی بھول گئیں باقی جہان کا...... جلدی لاؤ مرؤ'' روفا کے سر پر کھڑے ہو کر اس نے ماں کے سے انداز میں گولہ بارود چھوڑے اور واپس روانہ ہو گئی۔

''سلال بھائی اب تو آپ آتے جاتے رہیے گا'' سمیلہ نے بات کرنے کی غرض سے کہا۔

''ہوں...... آنا ہی پڑے گا اب تو'' سلال کی دلکش مسکراہٹ سمیلہ کا دل دھڑکا گئی۔

"آنا کیوں نہیں پڑے گا، لاڈلی بہن سے ملنے تو کشاں کشاں آئے گا۔ خالہ سے ملنے تو برسوں بعد آیا ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں خالہ جان! مصروف ہی بہت رہتا ہوں۔ اب انشاء اللہ کوشش کروں گا" وہ بہت تہذیب سے کہہ رہا تھا۔

"خالہ جان! ہم گھر والے بھی ان کی شکل کو دیکھنے کے لیے مہینوں ترس جاتے ہیں۔ بلاول کہتا ہے انہوں نے امریکا کا صدر بننا ہے ناں اسی وجہ سے بزی مین ہیں" دانیہ کے لہجے میں بڑے بھائی کے لیے تفاخر اور غرور چھلک رہا تھا۔ تبھی لوازمات سے بھری ٹرالی گھسیٹتی روفا سر جھکائے اندر داخل ہوئی اور یونہی نظریں جھکائے جھکائے مریل سی آواز میں کہا۔

"السلام علیکم!" وعلیکم السلام کہتے ہوئے سلال نے سرسری سا اسے دیکھا تھا۔ بھدے سے پرنٹ کے زرد سوٹ میں وہ خود بھی مریض لگ رہی تھی۔

"کہاں مرگئی تھیں...... کوئی مہمان آجائے اور تمہیں اضافی کام بتا دیا جائے تو جان نکل جاتی ہے تمہاری" حتی المقدور کوشش کر کے عالیہ بیگم نے خود کو مزید کچھ کہنے سے باز رکھا تھا۔ جبکہ تھوڑی دیر پہلے میٹھے لہجے میں شکر گھولنے والی عالیہ بیگم کا یہ انداز سلال اور دانیہ دونوں کے لیے چونکانے والا تھا۔ یہی نہیں "عائلہ ملک" کی آنکھوں سے ٹپکتی تحقیر، نفرت اور چبھن بھی پوشیدہ نہیں رہی تھی۔

"ہڈ حرامی تو اس کم بخت کی گھٹی میں پڑی ہے۔ نامراد!...... چائے بناؤ" عائلہ کا غصیلا لہجہ مقابل کے اوپر شاید اثر انداز نہیں ہوا تھا۔ وہ جوں کے توں سپاٹ تاثرات لیے چائے بنانے لگی۔ دانیہ ایک ٹک اس کم سن سی ملازمہ کو تکے جا رہی تھی۔

"یہ آپ کی نوکرانی ہے خالہ جان؟" اس نے پوچھ ہی ڈالا۔ کمرے میں بیٹھی میزبان خواتین اور خود ملک صاحب کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

"نہیں...... زینب کی بیٹی ہے" بالآخر روفا سے چائے کا کپ تھامتے ملک صاحب نے ہی بتایا۔ خواتین کے ناگوار تاثرات مزید گہرے ہو گئے۔ دانیہ اور سلال دونوں تحیر زدہ سے ہو گئے۔

"آپ کا مطلب ہے...... چھوٹے ماموں کی بیٹی؟" سلال نے حیرت سے پوچھا۔ سرسری نظر بدل گئی تھی۔ وہ بغور روفا کو تک رہا تھا۔ جس کی پل بھر کو اٹھی سرمئی آنکھوں میں حزن و ملال کا موسم تھا۔ دراز قد اور دبلے پتلے جسم کی "روفا ملک" ان کے تحیر سے بے نیاز چائے سرو کرتی رہی۔

"ہوں!" عالیہ بیگم نے بمشکل کہا۔ عائلہ پہلو پر پہلو بدل رہی تھیں۔ سلال کی کشادہ آنکھوں سے چھلکتا تاسف حسنہ اور سمیلہ کو بدمزہ کرنے کے لیے کافی تھا۔

"پتا نہیں اس کی ماں کس قماش کی عورت تھی، کس ذلیل، گرے ہوئے خاندان سے اس کا تعلق تھا کہ احتشام کو پھانس لیا۔ معلوم نہیں یہ احتشام کا خون ہے بھی یا کسی گٹر کا کیڑا اچمٹ گیا ہے ہمیں" اس کے ہاتھ لرزنے اور گرم گرم چائے سلال کے سفید کلف لگے کپڑوں پر نقش و نگار بنا گئی۔

عالیہ بیگم کے آگ لگاتے جملے اسے زمین بوس کرنے کے لیے کافی تھے۔ اتنی نفرت، اتنی حقارت، اتنی لاتعلقی...... وہ بری طرح سے ہرٹ ہوئی تھی۔ سلال فوراً کھڑا ہو گیا۔

"اندھی ہو گئی تھیں کیا؟ مصیبت کی ماری یہ چائے جلا ڈالتی اگر تو میں

تمہارا خون پی جاتی'' عائلہ ہذیانی سی ہو گئیں۔

''اٹس او کے...... کچھ نہیں ہوتا۔ میں چینج کر لیتا ہوں'' ہراساں سی روفا پر اچٹتی نظر ڈال کر وہ باہر چلا گیا۔ دانیہ دم سادھے روفا کا دہشت سے سفید پڑتا چہرہ دیکھنے لگی۔ کچھ ایسا نقصان بھی نہیں ہوا تھا۔ پھر بھی دونوں خالائیں بپھری شیرنیوں کا روپ دھار بیٹھی تھیں۔ دانیہ کو یاد آیا، اماں بھی ہمیشہ روفا کا تذکرہ ناپسندیدہ الفاظ میں کرتی تھیں۔ جب کبھی عالیہ خالہ کا فون آتا اماں روفا کا نام ضرور الاپا کرتیں۔ عائلہ تو اسے باقاعدہ مارنے تک آ گئیں۔ بالکل انوکھی صورت حال تھی۔ دانیہ کو سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا کرے کیا نہ کرے۔ خاموش بیٹھی روفا پر چاروں خواتین کا نزلہ گرتے دیکھتی رہی ملک عبدالواحد سلال کے اٹھتے ہی کمرا چھوڑ گئے تھے۔

● ● ●

اس قدر تضحیک ہوئی تھی کہ اس سے اپنا آپ سنبھالنا بھی مشکل ہو رہا تھا اور خلافِ معمول آج سب کے سامنے اس کے آنسو بہتے ہی چلے جا رہے تھے۔ جی بھر کر اپنا قہر برسانے کے بعد عائلہ نے اسے اس کمرے کی طرف روانہ کیا تھا کہ جو سلال کی آمد کا سن کر اس کے لیے سیٹ کروایا گیا تھا۔

بھیگا بھیگا چہرہ اور سرخ متورم آنکھیں لیے وہ اس کے کمرے میں بنا دستک دیے چلی آئی۔ پھپھو نے الزام ہی اتنا بڑا لگایا تھا کہ وہ حواس کھو بیٹھی۔

''آپ......'' سلال کچھ لمحے پہلے ہی واش روم سے نکلا تھا۔ اسے دیکھ کر بے ساختہ چونک گیا۔ اندر آ کر احساس ہوا کہ وہ بے وقوفوں کی طرح منہ اٹھائے

بنا اجازت لیے آ گئی ہے مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ مارے خفت کے آنکھیں دوبارہ جھلملانے لگیں۔

''وہ میں......اصل میں......'' کچھ سمجھ میں نہ آیا کیا کہے، اس کی گھبراہٹ نے سلال کی ناگواری دور کر دی تھی۔

''اٹس او کے روفا! گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ آپ کو کوئی کام تھا کیا؟'' وہ نرم تاثر لیے پوچھنے لگا۔ روفا کو سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ کچھ دیر قبل کے ''تماشے'' کی وجہ سے ہمدردی جتا رہا تھا۔ اسے شدت سے اپنی کم مائیگی کا احساس ہوا۔ وہ یہاں آنے کا مقصد ہی بھول گئی۔

''روفا...... آپ کو کوئی کام تھا مجھ سے......؟ پلیز بتائیے'' نرم سے لہجے میں سلال نے اپنا سوال دوبارہ دُہرایا۔ اس نے بمشکل آنسوؤں کے گولے کو اندر دھکیل کر نفی میں سر ہلایا۔

''آپ اپنے کپڑے مجھے دے دیں...... میں دھو دیتی ہوں'' انگلیاں مروڑتے ہوئے اس نے اپنی آمد کا مقصد بتایا۔ سلال کچھ حیران سا ہو گیا۔

''کون سے کپڑے؟''

''جن پر چائے گری تھی ابھی۔''

''نہیں، نہیں...... اس کی کوئی ضرورت نہیں، مجھے پہلے ہی دیر ہو گئی ہے۔ میں بس کچھ دیر میں چلا جاؤں گا'' سلال نے بغور اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں پلیز...... میں سرف میں بھگو کر جلدی جلدی دھو لوں گی۔ ڈرائیر میں خشک بھی ہو جائیں گے'' وہ اصرار کرنے لگی۔

''آپ سمجھ نہیں رہی ہیں۔ ضروری نہیں کہ وہ کپڑے میں دوبارہ بھی

پہنوں، کسی کو دے سکتا ہوں، آپ جایئے۔'' سلال کے لیے اس کا اصرار حیران کن تھا۔

''آپ ضد مت کریں پلیز...... وہ اصل میں......'' خواہ مخواہ ہی اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ ''پھپھو...... چھوٹی پھپھو ناراض ہوں گی'' اصل وجہ بتا کر جہاں وہ مضطرب ہوگئی، وہیں سلال حیرانی اور پھر تاسف میں گھر گیا تھا۔ روفا کہہ کر نظریں چرائے کھڑی رہی۔ کیا سوچتا ہوگا یہ اپنی پھوپیوں سے اتنا ڈرتی ہے...... اور کیوں ڈرتی ہے؟

''آل رائٹ...... یہ لیجیے'' الجھتی نظریں اس کے گھبرائے ہوئے چہرے پر ڈال کے سلال نے اپنے کپڑے اس کے حوالے کر دیے۔ جنہیں پکڑ کر باہر نکلنے میں اس نے منٹ نہیں لگایا تھا۔

عالیہ بیگم نے سر پر کھڑے ہو کر اس کے کپڑے دھلوائے اور خشک کروائے تھے۔ سلال کے لیے کوئی اتنا ضروری نہیں تھا وہ سوٹ لیکن وہ اس وقت تک کہ جب تک روفا کپڑے پریس کر کے اس کے حوالے نہ کر دیے محض اس خیال کے تحت رکا رہا کہ اس کی مشقت ضائع نہ جائے۔ وہ بہت عجیب سا محسوس کر رہا تھا جو اس کی اپنی سمجھ سے بھی بالاتر تھا۔ پھر دانیہ کو گلے لگا کر سمیلہ اور حسنہ کی دوبارہ آنے کے لیے ڈھیروں ڈھیر تاکیدیں سن کر دونوں خالاؤں سے پیار لے کر وہ جاتے وقت ایک نظر اس پر ڈالنا نہیں بھولا تھا، نہ جانے کیوں؟

• • •

ملک احتشام کے دن اور رات غیر مطمئن اور بوجھل سے گزرنے لگے

تھے۔ زینب کا خیال اگر ان کے لیے سکھ کا باعث تھا تو گھر والوں کا متوقع ردِ عمل سوچ کر ذہن و دل کو بے سکونی گھیر لیتی تھی۔ ہارون کے ہی مشورے سے انہوں نے سب سے پہلے زینب کے سامنے حالِ دل سنایا کہ جسے سن کر وہ ساکت رہ گئی اور بنا کوئی جواب دیے ان کے سامنے سے ہی ہٹ گئی۔ احتشام علی مزید مضطرب ہوگئے۔

''یار، میں نے کہا تھا ناں کہ وہ اپنے گھر والوں کے رویّے کی وجہ سے دلگرفتہ رہتی ہے۔ بہت سوچ سمجھ کر تمہیں کوئی رسپانس دے گی۔ تب تک صبر و تحمل سے انتظار کرو'' ان کی پریشانی بھانپتے ہوئے ہارون نے اس دن تسلی دینا مناسب سمجھا۔ ان کے اظہارِ محبت کے بعد سے زینب نے ستارہ سے ملنے، ان کے گھر آنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ احتشام کو یہ سب بہت اذیت ناک لگ رہا تھا۔ زینب ان کے لیے کیا کچھ ہوگئی تھی۔ اس کا اندازہ انہیں زینب کے نہ آنے سے ہوگیا تھا۔ بے چینی و اضطراب ان کے ہر ہر انداز سے ظاہر تھا۔

''اس نے جواب کیوں نہیں دیا...... کہیں وہ انکار تو نہیں کر دے گی؟'' دل کا وسوسہ زبان پر آ گیا۔

''بے وقوف ہوگی اگر انکار کرے گی تو......!'' ہارون بے ساختہ ہنس دیے۔ ''میرا دوست لاکھوں میں ایک ہے۔ زینب اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے تمہاری وجاہت تو ملاحظہ کر ہی چکی ہے۔ انکار کر کے اپنے پیروں پر کلہاڑی نہیں مارے گی'' ہارون نے ماحول کا بوجھل پن کم کرنے کے لیے کہا تھا۔ احتشام اتنے زود رنج ہوئے بیٹھے تھے کہ مسکرا بھی نہ سکے۔

''حوصلہ میرے یار، حوصلہ...... میدانِ محبت میں بہادری کام آتی ہے

صرف بہادری...... وقت سے پہلے حالات سے گھبرا کر ہاتھ پیر چھوڑ دینے والے لوگ اس میدان میں نہیں اتر سکتے...... بزدلی، کم ہمتی اور مایوسی ''محبت'' کے دشمنوں میں شمار ہوتی ہیں۔ سو وسوسے نکال پھینکو اور جی داری دکھاؤ...... محبت کی ہے تو پھر ڈرور کیسا؟''

''بس......بس......بس'' ہارون کی لمبی ہوتی تقریر کو احتشام نے ہاتھ اٹھا کر بریک لگنے پر مجبور کیا تھا ''تمہاری تقریر نے مجھے جی دار بنا دیا...... سمجھ میں نے ''میدانِ محبت'' مار لیا۔ تھینک یو'' احتشام نے کچھ ایسا انداز اختیار کیا کہ ہارون کی ہنسی چھوٹ گئی اور واقعی احتشام علی نے ''میدانِ محبت'' مار لیا۔

ہارون کی والدہ اور ستارہ کے بے حد اصرار پر زینب نے ملک احتشام کے بارے میں سنجیدگی سے سوچا تھا اور اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ خالہ کا گھر جو اس کے لیے کسی جہنم سے کم نہیں تھا، وہاں سے نکلنے کے لیے اسے احتشام جیسے مرد کی ہی ضرورت تھی۔ یقیناً اللہ میاں نے اسے نجات دہندہ کے طور پر بھیجا تھا۔

ایک خوبصورت سی شام اس نے شرگیں لہجے میں، نظریں جھکائے احتشام کو مثبت جواب دیا تھا۔ احتشام بے خود سے ہو گئے تھے۔ اپنی شدید خواہش کے پورے ہو جانے کے بعد کیسا خوش کن احساس ہوتا ہے، یہ انہیں اب محسوس ہوا تھا۔

بہار کے تازہ جھونکے نے زینب کی صورت میں ان کی بے کیفی، بے چینی اور مایوسی بھگا دی تھی۔

وہ زینب کے حصول کے لیے کڑی اور کٹھن راہوں کے مسافر ہو گئے تھے۔

•••

جہاں دونوں پر شفیق خالاؤں کا روفا کی ذات کے لیے خونخوار رویہ اگر حیرانی کا باعث بنا تھا وہیں اسے اماں کا بھڑکنا بھی تعجب انگیز لگا۔ اس نے یوں ہی برسبیلِ تذکرہ واپسی کے تیسرے روز اماں کے سامنے روفا کی بے چارگی کا تذکرہ کیا تھا۔ اماں سن کر اتنی غضب ناک ہوئیں کہ سلال کہہ کر پچھتانے لگا۔

''تمہیں کیوں ہمدردی ہو رہی ہے اس چمارن کی اولاد کے ساتھ...... سلال میں دوبارہ تمہارے منہ سے اس کا نام نہ سنوں۔ غضب خدا کا، ماں کی جانشین ثابت ہوئی۔ ماں بے حیا نے میرے معصوم بھائی کو ہتھا لیا تھا اور بیٹی نے میرے بیٹے پر ڈورے ڈال دیے، توبہ توبہ!''

''او گاڈ! او مائی گاڈ'' سلال کو سخت برا لگا ''کیا کہہ رہی ہیں اماں آپ...... اس کی بات چھوڑیں، میں وہاں چند گھنٹے رہا۔ مجھ سے آپ ایسی توقع کر رہی ہیں؟ ایسا گیا گزرا لگ رہا ہوں میں آپ کو؟'' وہ کچھ ناراض سا ہو گیا۔ اسے اب لگ رہا تھا کہ دھان پان سی روفا اس کے خاندان والوں کے لیے چھچھوندر سے کم ثابت نہیں ہو رہی۔ پتا نہیں ایسا کیا قصور سرزد ہوا تھا اس کی ماں سے یا اس سے؟ کاملہ بیگم گھر میں کبھی کبھی روفا نام کی لڑکی کو صلواتیں ضرور سنایا کرتی تھیں۔ وہ سب بہن بھائی اہمیت نہ دیتے ہوئے سن لیتے تھے، کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتے تھے کہ روفا کون ہے، کیا ہے، کہاں رہتی ہے؟

''بابا، آپ بتایئے...... ایک بے ضرر انسان کے ساتھ غیر انسانی سلوک ہم جیسے تہذیب کا پرچار کرنے والوں کو زیب دینا ہے؟'' سلال نے ماں کی ناراضی بھری خاموشی سے مایوس ہو کر قریب ہی نیوز چینل دیکھتے سید حیدر عباس شاہ

کو مخاطب کیا۔

"بھئی...... میں تو آج تک انجان ہی رہا...... مجھے تو یہ بھی پتا نہیں تھا کہ روفا نام کی لڑکی تمہاری ماں کے خاندان میں ہے بھی یا نہیں۔ اگر ہے بھی تو احتشام کی بیٹی ہے۔ بہرحال جو باتیں تم بتا رہے ہو۔ انہیں سن کر تو واقعی ملال ہو رہا ہے۔ اتنے قریبی رشتے کو یوں بلاوجہ انا کا مسئلہ بنا لینا، بے معنی سی بات ہے بلکہ اپنی آخرت خراب کرنے کے مترادف ہے" حیدر شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیجیے...... میرے گھر میں میری اولاد اور خاوند کو آخرت سنوارنے کا خیال آیا بھی ہے تو اس بدچلن کی بیٹی پر فدا ہو کے...... مگر میں کہے دے رہی ہوں۔ دوبارہ روفا کا ذکر اگر اس گھر میں ہوا تو میں اپنی جان ایک کر دوں گی لکھ کر رکھ لیں" کاملہ بیگم شدید ناراض ہو کر اٹھ گئیں۔ سلال عجیب سے انداز میں باپ کو دیکھنے لگا۔

"بیٹا، جو ہو رہا ہے، جیسا ہو رہا ہے، ہونے دو...... نہیں تو ماں تمہاری خودکش حملہ کر کے رہے گی، اسے دہشت گرد مت بناؤ اور سکون سے رہو" حیدر عباس ہلکے پھلکے سے انداز میں بولے۔ سلال کندھے اچکا کر ٹی وی اسکرین پر نظریں جما کر بیٹھ گیا۔

● ● ●

سمیلہ اور حسنہ کے بالکل برعکس دانیہ نہایت سلجھی ہوئی، باوقار انداز و اطوار کی مالک تھی۔ فیشن کے نام پر اوٹ پٹانگ کپڑے پہننا اور اوور ایکسپوز ہونا اسے قطعی پسند نہیں تھا۔

عالیہ بیگم کے یہاں اس سے پیشتر وہ رہنے کے لیے خال خال ہی آئی تھی۔ وہ بھی شاید اپنے بچپن میں باشعور ہونے کے بعد ہمیشہ ایک دن کا ٹور خاص خاص موقعوں پر لگنے لگا۔ رات گزارنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اب پڑھنے کے لیے متواتر عالیہ بیگم کے یہاں رہنا پڑا تو کافی دنوں تک طبیعت گھر والوں کی یاد کی وجہ سے بوجھل سی رہی۔ پھر تھوڑا سا ایڈجسٹ ہوئی تو خالہ کے گھر کے کھلے ڈلے طرز زندگی نے حیران کر ڈالا۔ سمیلہ اور حسنہ پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں تھی۔

لباس تو جس قسم کا وہ پہنتی تھیں سو پہنتی تھیں، آئے روز دوستوں کے گھر مختلف فنکشنز پر انوائیٹڈ ہونے کی وجہ سے رات گئے گھر سے غائب رہتیں اور عالیہ بیگم یا ملک صاحب ٹوکنا بھی گوارا نہ کرتے۔ رات ساری دونوں بہنوں کی کمپیوٹر کے سامنے بیٹھے بیٹھے گزر جاتی۔ کالج یونیورسٹی سے چھٹی ہوتی تو دن چڑھے بستر کی نذر ہوئی رہتیں۔ عون اور مامون کی اپنی مصروفیات تھیں۔ انگلش موویز اور کیبل کے رسیا۔ گھر آنے جانے کا بھی کوئی مخصوص ٹائم نہیں تھا۔ نہ گھر والوں کی طرف سے کوئی پابندی تھی۔ انہیں دیکھ کر دانیہ کو بلاول اور سجاول یاد آ جاتے تھے۔

جو بے شک زبان کے تیز تھے، باتونی و حاضر جواب تھے لیکن پڑھائی میں بھی آگے تھے اور اس کی وجہ کاملہ بیگم کی کڑی نگرانی اور سلال کی سخت طبیعت تھی۔

خود حیدر شاہ بھی بیٹوں کی تربیت کے معاملے میں کافی سخت تھے۔ دانیہ کے لیے جتنی نرم طبیعت رکھتے تھے۔ بلاول اور سجاول کے سامنے اتنا ہی بارعب رویہ رکھتے تھے۔ دونوں بھائی باپ کو ماں کے سامنے کبھی ہٹلر کو تو کبھی ہلاکو خان کہہ کر طیش دلایا کرتے تھے۔

یہاں تو الٹی ہی گنگا بہہ رہی تھی۔ جدیدیت کی دوڑ میں سب سے آگے جانے کا خواہش مند یہ خاندان دانیہ کو آدھا تیتر اور آدھا بٹیر لگا۔ بے شک ان کا تعلق اپر کلاس سے تھا۔ لیکن اولاد کی حرکات وسکنات پر نظر رکھنا تو اونچے نیچے دونوں طبقات کا فرض ہے۔

دانیہ کے بابا جدی پشتی جاگیردار تھے۔ ان کے باپ دادا سیاست میں سرگرم رہے تھے۔ وہ بھی وفاقی وزیر رہ چکے تھے لیکن گھر اور اولاد کے معاملے میں کافی حساس خیالات رکھتے تھے۔ تبھی تو اولاد بھی اتنی فرمانبردار ثابت ہوئی تھی۔

اور اس گھر کی سب سے عجیب مخلوق...... جو تھی تو انسان لیکن جانوروں سے بدتر رویے سہہ رہی تھی اور پھر بھی اُف تک نہیں کرتی تھی۔ ''روفا ملک'' جو دانیہ کے لیے بہت اہمیت اختیار کر گئی تھی کیونکہ وہ چھوٹے ماموں کی اولاد تھی، ان کی نشانی۔ گلے سے لگا کر رکھنے کے قابل...... نہ کہ جوتی بنا کر رکھنے کے۔ اگر وہ چھوٹے ماموں کی اولاد نہ بھی ہوتی تو بھی قابل رحم تھی۔

صبح سے شام اور شام سے رات گئے...... وہ دبلی پتلی سی، سرمئی آنکھوں والی روفا ملک گھر بھر کے کام ماتھے پر بنا شکن لائے یوں کیے جاتی گویا وہ انسان نہ ہو، کوئی روبوٹ ہو، کوئی مشین ہو۔ جس کا مقصد زندگی صرف کام، کام اور دوسروں کی خدمت ہو اور کچھ نہیں۔

اپنی عادت سے مجبور ہو کر دانیہ سمیلہ اور حسنہ کے ساتھ ساتھ روفا کے ساتھ بھی کزن کی حیثیت سے فرینک ہونے لگی تھی۔ اس سے چھوٹی موٹی باتیں کرنا، یونیورسٹی کے قصے سنانا اور بلاول اور سجاول کی شرارتیں گوش گزار کر کے روفا کی اشتیاق سے پر آنکھیں دیکھنا۔ دانیہ کو بہت اچھا لگتا تھا۔

سمیلہ، حسنہ کے ساتھ ساتھ عالیہ بیگم اور عائلہ بھی روفا پر دانیہ کی مہربانیاں دیکھ کر بل کھا کر رہ جاتیں لیکن کچھ کہنے سے باز ہی رہتیں۔ سلال حیدر شاہ کو دیکھ کر عالیہ بیگم بہت کچھ سوچ چکی تھیں اور سلال دانیہ کا بھائی تھا۔ دانیہ سے بہتر بنائے رکھنے میں ہی بھلائی تھی۔ سو وہ دل ہی دل میں جلنے کڑھنے کے سوا دانیہ کو منہ پر کچھ نہیں کہہ سکتی تھیں۔

اس دن پہلی مرتبہ دانیہ روفا کے کمرے میں آئی تھی اور کمرے کی حالت نے اسے دم بہ خود کر دیا۔ ''تم اس کمرے میں رہتی ہو؟'' اس کے لہجے میں بے یقینی تھی۔ روفا سر ہلا کر رہ گئی۔

''او مائی گاڈ...... یہ کمرا رہنے کے قابل ہے؟ ان لوگوں نے تمہیں جانور سمجھ رکھا ہے کیا؟ ایک چھوٹا سا کمرا دے دینے سے کون سا خالہ کے مال و متاع میں کمی آ جانی تھی۔ تم سے بہتر رہائش تو سرونٹ کوارٹرز والے ملازمین کی ہے۔ اچھا ہوتا جو تمہیں بھی وہیں کہیں ڈال دیتے۔'' دانیہ سخت کبیدہ و خاطر ہو رہی تھی۔ روفا کوئی تاثر لیے بغیر اسے دیکھتی رہی۔

''تم خود بھی ذمے دار ہو، اپنی اس حالت کی۔ آواز کیوں نہیں اٹھاتی ہو ظلم کے خلاف، سہے کیوں جا رہی ہو؟ بہت سخت جان ہو۔ بڑی پاور فل ہو۔ بڑا رس ہے تمہاری ہڈیوں میں؟'' دانیہ کو اچانک ہی غصہ آ گیا تھا۔ اسے جھنجھوڑ کر وہ قدرے تیز لہجے میں بولی تھی۔ روفا پھر بھی چپ بیٹھی رہی۔

''تم خون ہو ہمارا...... سگی ہو ہماری...... غیر نہیں ہو۔ پھر یہ غیر انسانی سلوک، کیوں...... تمہاری ماں کون تھی، کیسی تھی؟ اس سے انہیں یا ہمیں کیا غرض۔ غرض ہونی چاہیے تو صرف اس بات سے کہ تم چھوٹے ماموں کی بیٹی ہو...... صرف

ہمارے ماموں کی......" دانیہ کی آواز نمناک ہوگئی۔ روفا کی آنکھیں سوکھی جھیل کے مانند خشک رہیں۔

"روفا...... تم اگر آواز نہیں اٹھاؤ گی تو میں خالہ سے کہوں گی۔ تمہارے ساتھ ایسا سلوک نہ کریں۔ ان کی بھی بیٹیاں ہیں۔ ان کے طفیل ہی صحیح تمہیں پیار کی ایک بوند دے دیا کریں۔ میں کہوں گی عالیہ خالہ سے۔"

"نہیں، نہیں، پلیز دانیہ آپی! نہیں کہیے گا" دانیہ کے پرعزم انداز پر بت بنی روفا زندہ ہوگئی تھی۔

"وہ جیسا مجھے رکھ رہی ہیں۔ مجھے منظور ہے۔ مجھ پر جتنے ظلم کریں، مجھے گوارا ہے لیکن یہ میں نہیں چاہوں گی کہ میں ان کے سامنے آواز اٹھاؤں۔ جواب دوں اور اپنی ماں کی بدچلنی پر مہر لگا دوں، ان کی زبانی یہ سنوں کہ دیکھا، بدچلن ماں کی بیٹی بھی کیسی منہ زور ہے، کیسے منہ بھر بھر کے جواب دیتی ہے، کتنی لمبی زبان ہے اس کی...... نہیں دانیہ آپی، ایسا میں کبھی بھی نہیں چاہوں گی۔ میری زندگی جیسی بھی گزر رہی ہے، گزرنے دیں۔ کم از کم مجھے یہ تو اطمینان ہے ناں کہ میں اپنے ابو کے خاندان میں ہوں۔ اپنوں کے بیچ رہ رہی ہوں۔ ہاں دانیہ آپی! سب لوگ اچھے ہیں یا برے...... ہیں تو میرے اپنے...... اور آپ یقین مانیے "اپنوں" کے ساتھ رہنے کا سوچ کر ہی میں آسودہ ہوں۔ انہوں نے اگر مجھے نکال باہر کیا تو سمجھ لیں کہ وہ دن میری موت کا دن ہوگا۔ واقعی، میری موت کا دن ہوگا" برف پگھل گئی تھی۔ ضبط کا یارا نہیں رہا تھا، وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ دانیہ کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے۔

"تم بہت عظیم ہو روفا! بہت زیادہ عظیم...... اور میری دعا ہے کہ اللہ پاک

تمہاری زندگی میں نوید صبح ضرور لائے۔ تمہیں روشنیوں کا ہمسفر بنائے۔ تمہاری اچھی سوچ کا بہت خوبصورت صلہ تمہیں دے، آمین" دانیہ نے صدق دل سے دعا دیتے ہوئے اسے گلے لگا لیا۔

"آپ بہت اچھی ہیں آپی! بہت زیادہ اچھی!" وہ بھیگی آواز میں بولی تھی۔



مسز عاطف کی بیٹی کی رسم منگنی تھی۔ عالیہ بیگم بھی انوائیٹڈ تھیں۔ دانیہ کو فریش اپ کرنے کے لیے انہوں نے اسے بھی تیار کر لیا۔ سمیلہ، حسنہ اور عائلہ نے تو ویسے ہی جانا تھا۔ عالیہ بیگم کی بھویں تب تن گئیں، جب دانیہ نے روفا کو بھی ساتھ چلنے کی آفر کی۔ اگرچہ اس نے فوراً ہی انکار کر دیا تھا لیکن دانیہ مان کے ہی نہیں دے رہی تھی۔

"بیٹا! اس کے جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اسے چھوڑو، تم لوگ جلدی سے اپنی تیاری کرو" عائلہ نے چبھتی نظریں روفا پر ڈال کر نرمی کا لبادہ اوڑھا تھا بظاہر۔

"ارے...... خوامخواہ ہی......" دانیہ نے جلدی سے کہا۔ "یہ یہاں اکیلی بیٹھ کر کیا کرے گی۔ ہمارے ساتھ چلے، اس میں کوئی حرج تو نہیں۔ فضول میں مکھیاں مارتی رہے گی۔"

"مکھیاں مارتی رہے یا مچھر...... تم اپنی انرجی ویسٹ نہ کرو، یہ نہیں آئے گی۔" سمیلہ نے بمشکل ناراضی چھپائی تھی۔

"اس میں کسی کا سامنا کرنے کے گٹس ہی کہاں ہیں۔ پاگلوں کی طرح بیٹھی رہے گی۔ الٹا ہمارے لیے دردِ سر بنے گی۔ ال مینرڈ تو ہے" عالیہ بیگم کا ضبط بھی قابل دید تھا۔

"کوئی بات نہیں خالہ جان......! گٹس اور مینرز اسے میں سکھا دوں گی اور اس کے پاگلوں کی طرح نہ بیٹھے رہنے کی گارنٹی میں دیتی ہوں...... بس یہ ساتھ ضرور جائے...... آخر چھوٹی موٹی خوشیوں پر اس کا بھی حق ہے...... سارا دن کام کرتی ہے...... تھوڑی سی ریفرشمنٹ اس کی دماغی وجسمانی صحت کے لیے ضروری ہے۔"

"اپنی خوشی سے کام کرتی ہے۔ کون سا میں اس کے سر پر تلوار لیے کھڑی ہوتی ہوں۔ تم ضد کر رہی ہو تو ساتھ لیے چلتے ہیں ورنہ تو......" عالیہ بیگم تنفر سے کہتی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔ عائلہ کا بس نہیں چل رہا تھا، اسے کچا کھا جائیں۔

سمیلہ اور حسنہ کے تاثرات بھی کچھ زیادہ مختلف نہیں تھے۔ دھپ دھپ کرتیں تینوں منظر سے ہٹیں تو چور بنی روفا نے سر اٹھا کر دانیہ کے مسکراتے چہرے کو دیکھا۔

"کیسا......؟" بھویں اچکا اچکا کر دانیہ نے چٹخارا سا بھرا۔

"میں نہیں آسکتی دانیہ آپی!" وہ حسب عادت انگلیاں مروڑنے لگی۔

"کیوں...... تمہارے پیروں میں مہندی لگی ہے کیا...... یا تم نے کہیں نہ جانے کی قسم کھا رکھی ہے؟" دانیہ نے ڈپٹ کر کہا۔ کافی دیر تک وہ نہ نہ کرتی رہی تھی لیکن دانیہ بھی اپنے نام کی ایک تھی۔

رات بستر پر جانے سے پہلے وہ روفا سے ساتھ چلنے کے لیے "ہاں" کہلوا چکی تھی۔

● ● ●

کسی کو بتائے بغیر ہی وہ اپنے نام پر روفا کے لیے ہلکی پھلکی سی شاپنگ کر آئی۔ سب کی آنکھیں تب پھٹنے کے قریب ہو گئیں جب روفا قیمتی کپڑوں میں ملبوس لرزتی کانپتی دانیہ سے چمٹی اپنے کمرے سے باہر نکلی۔ مارے صدمے کے عالیہ بیگم کا منہ جتنا کھل سکتا تھا، کھل گیا۔ جبکہ عائلہ ملک غصے کی لپیٹ میں آ گئی تھیں۔

"خالہ دیکھیں تو ذرا، روفا کتنی پیاری لگ رہی ہے؟" دانیہ نے جان بوجھ کر سب کو متوجہ کرنا چاہا اور سب نے یوں ظاہر کیا جیسے سنا ہی نہ ہو۔

"یہ تو بڑی چھپی رستم حسینہ نکلی...... اگر مجھے ذرا سا بھی میک اپ کرنے دیتی ناں پھر تو کیا بات تھی۔ خیر ایسے بھی کم نہیں لگ رہی۔ ویسے چھوٹی خالہ......" دانیہ نے اچانک ہی عائلہ کو مخاطب کر کے کہا "آپ کو نہیں لگتا۔ روفا میں چھوٹے ماموں کی بہت شباہت ہے۔ آنکھیں تو پوری کی پوری ویسی ہیں...... اچانک اس پر نظر پڑے تو چھوٹے ماموں کی کاپی لگتی ہے، ہے ناں" سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔

دانیہ نہ صرف یہ کہ سلال کی بہن تھی بلکہ وہ اکلوتی بھانجی اور ایک جاگیردار باپ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ سونا چار اس کی سننا اور پھر عمل کرنا پڑ رہا تھا۔

"دیر ہو رہی ہے...... جلدی کرو" قدرے تاخیر سے عالیہ بیگم نے کہا تھا۔

جبکہ عائلہ دانت پہ دانت جمائے نہ جانے کس کڑی راہ سے گزر رہی تھیں کہ چہرہ

بھی اندرونی خلفشار کا عکاس بنا ہوا تھا۔ روفا کی رنگت الگ سفید ہو رہی تھی۔

دانیہ گہری نظروں سے عائلہ کو دیکھتی روفا کا برف جیسا ہاتھ پکڑے لاؤنج عبور کر گئی۔ فنکشن ضرورت سے زیادہ ہی شاندار تھا۔ منگنی سے زیادہ شادی کا فنکشن لگ رہا تھا۔

کوئی اور موقع ہوتا تو عالیہ بیگم، سمیلہ اور حسنہ وغیرہ کیا کچھ نہ کرتیں...... مگر آج اپنے ساتھ روفا کی موجودگی نے گویا جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔

بظاہر عالیہ بیگم اور عائلہ مسکرا رہی تھیں مگر کون جان سکتا تھا کہ ان کے دلوں میں اس وقت نفرت کے لاوے پک رہے ہیں۔

آج جس کو نہیں بھی معلوم تھا، انہیں بھی دانیہ کی زبانی پتا چل گیا کہ روفا کون ہے؟ اچھا بھلا گرینڈ فنکشن بور ہو کر رہ گیا تھا۔ وقت سے پہلے عائلہ نے واپسی کا پروگرام بھی بنا ڈالا اور میزبان خواتین کے بہت اصرار کے باوجود بھی رکنے پر آمادہ نہ ہوئیں اور یوں ایک اچھا وقت رویوں کی بدصورتی اور نفرتوں کی بارش کی نذر کر کے وہ سب گھر آ گئے۔

''کیوں...... انجوائے کیا پھر؟'' روفا کپڑے بدل کر آئی تو دانیہ نے پوچھا۔ وہ انتہائی روکھی سی شکل بنا کے نفی میں سر ہلانے لگی۔

''کوئی بات نہیں، ابھی تو ابتدا ہے۔ آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''دانیہ آپی!'' روفا کا دل بھر بھر آ رہا تھا ''آپ کی مہربانیاں میرے لیے مشکلات کھڑی کر دیں گی۔ عالیہ پھپو اور چھوٹی پھپو مجھ سے ناراض ہو گئیں تو سمجھ لیں قیامت آ جائے گی۔ آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ میں ایسے ہی ٹھیک

ہوں'' روفا آنسوؤں پر بند نہیں باندھ سکی تھی۔ ہمیشہ تحقیر سے دیکھی جانے والی دو بول محبت کے سن کر پگھل گئی تھی۔

''اچھا بھئی، سوچیں گے...... ابھی زیادہ دماغ کو نہ تھکاؤ اور سو جاؤ۔ کہیں چھوٹی خالہ کو پھر کوئی کام یاد نہ آ جائے اور تمہیں رات گئے کچن یا لان کے پھیرے لگانے پڑ جائیں۔ شاباش اچھی بچی سو جاؤ۔''

اس کے گال تھپک کر دانیہ چلی گئی۔ وہ گہری سانس کھینچتی بستر پر دراز ہو گئی۔ لاتناہی سوچوں کی یلغار سے پیچھا چھڑاتے چھڑاتے نیند بہر حال مہربان ہو ہی گئی۔

● ● ●

میدانِ محبت مارنا اتنا آسان ثابت نہیں ہوا جتنا احتشام نے تصور کر لیا تھا۔ گھر میں صرف ہلکا سا اشارہ دیا تھا اور توقع سے زیادہ بھونچال آ گیا۔ وہ بوکھلا ہی گئے۔ ابا جان تو ابا جان، بے جی نے بھی ان کے خلاف کمر کس لی۔ ابا جان تو جو گرجے سو گرجے، بے جی نے گویا موضوع ہی پکڑ لیا۔ صبح سے رات تک احتشام زیرِ عتاب رہنے لگے۔ یہی نہیں، دونوں شادی شدہ بہنوں کو بھی بلوایا گیا۔ احتشام کے ناقابلِ معافی فعل پر غصہ کرنے والے، چھنگھاڑنے، چلانے والے چند اور آ گئے۔ وہ دانت بھینچے صورتِ حال کی سنگینی دیکھتے رہتے۔

''میں کہے دیتی ہوں شامی! اگر تم نے اس لٹیرن لڑکی کا نام دوبارہ لیا تو میں کبھی تمہارا منہ نہیں دیکھوں گی، یاد رکھنا'' بے جی کا غصہ کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

"اور تمہیں ضرورت کیا تھی باہر منہ ماری کرنے کی جبکہ تمہیں معلوم تھا کہ تم پہلے سے نکاح شدہ ہو۔" بڑی آپا کے یاد دلانے پر وہ بدمزہ سے ہو گیا۔

"تو کس نے کہا تھا آپ سے کہ بچپن میں نکاح پڑھوا دیں؟ بڑے ہو کر کیا ہماری کوئی مرضی منشا نہیں ہوتی، چلتی پھرتی روحیں ہوتے ہیں کیا ہم...... آپ خود سوچیے آپا! اس ان پڑھ گنوار زاہدہ کا میرے ساتھ کوئی جوڑ بنتا ہے؟ کیا میں خوش رہ سکوں گا یا وہ میرے ساتھ خوش رہ سکے گی؟"

"یہ ساری باتیں اب سوچنے کی ہیں کیا؟ پہلے گونگوں کا گڑ کھائے بیٹھے تھے، اتنے کیڑے اب نکل رہے ہیں زاہدہ میں، مت بھولو...... کہ تمہارا رشتہ وٹے سٹے کا ہے۔ تمہارے ساتھ ساتھ عائلہ بھی زاہدہ کے بھائی کی منکوحہ ہے۔"

"میرے خدا!" چھوٹی آپا کے یاد دلانے پر وہ سر تھام کر رہ گئے۔

"کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے عائلہ کے مستقبل کے بارے میں سوچ لینا۔ تمہارے ہر فیصلے کا بھگتان اسے بھگتنا پڑے گا۔ جو ہم میں سے کوئی بھی نہیں چاہے گا۔ یاد رکھو عائلہ کا رشتہ ختم ہوا تو ہم سب تم سے قطع تعلق کر لیں گے۔" بڑے بھیا کی گرج دار آواز نے دروازے کی جھری سے جھانکتی عائلہ کی سماعتوں پر ہتھوڑے کے مانند لگی۔ رشتہ ٹوٹنے والی بات پر وہ پوری جان سے لرزی تھی۔ سرتاپا سنسنی دوڑ گئی تھی۔

"کون کہتا ہے انسان باشعور ہو گیا ہے۔ مجبوریوں کے نام پر قربانیاں اب بھی مانگی اور دی جاتی ہیں۔ میں بھی قربان ہو جاؤں گا آپ سب کی مجبوری پر...... لیکن خوشی نہ میرے دل میں دھڑکے گی نہ زاہدہ کے دل میں۔ یہ بات آپ بھی یاد رکھیے گا۔"

وہ سامنے آئی ہر چیز کو ٹھوکر سے اڑاتا باہر نکل گیا۔ کافی دنوں تک گھر والوں کو منانے کی کوششوں میں وہ خود بھی اس بات کو سن کر جھک گیا کہ عائلہ زاہدہ کے بھائی کی منکوحہ ہے اور نعمان کے لیے عائلہ کی پسندیدگی کسی سے بھی ڈھکی چھپی نہیں تھی۔

خلافِ معمول زینب دو ہفتے متواتر ستارہ سے ملنے کے بہانے ہارون کے گھر آتی رہی۔ اس امید پر کہ شاید احتشام ہارون سے ملنے آئے ہوں لیکن مایوسی ہی ہوئی۔ زینب کا اضطراب و بے چینی دیکھ کر ہارون نے خود ہی احتشام سے رابطہ کرنا چاہا تو پتا چلا کہ وہ بزنس کے سلسلے میں شہر سے باہر گیا ہوا ہے۔ ہارون نے یہی بات زینب کے گوش گزاری۔ بجائے مطمئن ہونے کے وہ مزید پریشان ہو گئی۔ خالہ کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کا کوئی دور پار کا رنڈوا رشتے دار کریم داد اچانک ہی زینب کا امیدوار بن بیٹھا تھا۔ اس شرابی، جواری کا سوچ کر ہی زینب کو متلی ہونے لگتی تھی۔ خالہ کی آج کل ہر صبح کا آغاز کریم داد کے نام سے اور اختتام بھی اسی کے نام سے ہونے لگا تھا۔

بس...... چند دن تھے جنہیں اسے کسی نتیجے پر پہنچنا تھا۔ اور تقدیر کی ستم ظریفی کہ ملک احتشام ہی کہیں چلے گئے تھے۔ اس کے شب و روز رو رو کر دعائیں مانگتے گزر رہے تھے۔



بڑی عجیب بات ہوئی تھی۔ منگنی والے فنکشن پر اس میں پتا نہیں ایسے کون سے ہیرے جڑ گئے تھے کہ اگلے ہی روز "ملک صاحب" کی ایک واقف کار

فیملی ''مسز جعفری'' کی سرکردگی میں روفا کی امیدوار بن کر آ گئیں۔ سبھی کے علم میں تھا کہ ان کا بیٹا امریکا میں ڈاکٹر ہے سو سبھی بت بنی مسز جعفری کے منہ سے روفا کے چھپے رستم حسن کی تعریفیں سن رہے تھے۔

''ایسا کوئی ضروری نہیں ہے، آج جواب دینا۔ بے شک آپ اچھی طرح سے سوچ لیں۔ ہمارا گھرانہ واحد بھائی کی آنکھوں کے سامنے ہے، پھر بھی تسلی کر لیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر آپ کو ایک بات بتانا ضروری ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو پھر آپ ہم سے شکوہ کریں کہ ہم نے آپ کو پردے میں رکھا'' عائلہ کے معنی خیز انداز پر مسز جعفری نے اپنی بیٹی اور بہو کی طرف دیکھا تھا۔

چند لمحوں بعد آنے والی تینوں خواتین سرد و سپاٹ تاثرات لیے چلی بھی گئیں۔ روفا کے چائے سرو کرنے کے دوران میں عائلہ نے چبا چبا کر اس کی ماں کے چلن کو ہر ممکن حد تک گرا ہوا بتایا تھا۔ یہی نہیں روفا کے بڑھتے ہوئے پر پرزوں کی تفصیل سنانے کے بعد اس کے کسی ''افیئر'' کا تذکرہ بھی سرسری سا کر ڈالا تھا۔ جہاں روفا کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا تھا۔ یقیناً وہ روفا پر لعنت بھیج کر رخصت ہوئی ہوں گی۔

ان کے جانے کی دیر تھی۔ عائلہ نے روفا کو بالوں سے پکڑ کر اسے کئی جھٹکے دے ڈالے۔

''پتا تھا مجھے، تم کوئی نہ کوئی گل کھلاؤ گی۔ کمینی فطرت کبھی چھپ سکتی ہے بھلا۔ نیچ ذات کی ماں کی بیٹی کو شرافت کب تک راس آتی، آخر نکل آئی ناں اپنے جامے سے۔ ادائیں دکھا دکھا کر لبھا ڈالا لوگوں کو...... ایسی ہی آنکھوں میں بے

حیائی بھر گئی ہے تو سڑکوں پر نکل جاؤ۔ کسی طوائف کے کوٹھے پر جا بیٹھو۔ ہمارے گھر میں اپنی حرکتوں سے ہماری آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکتی ہو تم۔ تمہارے جیسی سمیلہ اور حسنہ بھی تو بیٹھی ہیں۔ انہوں نے تو کبھی یہ ہتھکنڈے نہیں اپنائے۔ رشتے ان کے لیے بھی نہیں تم جیسی کے لیے آئے، کیوں؟ تم آسمان سے اتر آئی ہو؟ جنت کی حور ہو؟'' تابڑ توڑ تھپڑ مارتے مارتے عائلہ تھک نہیں رہی تھیں، زبان بھی اسی رفتار سے چل رہی تھی۔

وہ معصوم ''نہیں پھپھو...... مت ماریں پھپھو آئندہ کہیں نہیں جاؤں گی'' کی گردان لگائے روئے چلی جا رہی تھی مگر عائلہ کی چنگھاڑتی آواز میں اس کی کون سنتا۔ عائلہ تھک ہار کر ستانے بیٹھیں تو عالیہ بیگم کی باری آئی۔ انہوں نے دو چار تھپڑ مارنے کے بعد اس زور کا دھکا دیا کہ وہ فرش پر سجدہ ریز ہو گئی۔ ماتھے سے خون نکلنے لگا تھا۔

''جس حرام زادی، کمینی نے میرا گھر اجاڑا۔ جس کی وجہ سے نعمان نے مجھے چھوڑا، میں اس کی بیٹی کو سکون کی زندگی جینے دوں، یہ ممکن ہی نہیں۔ خدا نے تمہیں زندہ بھی میرے لیے رکھا ہوا ہے تاکہ میں اپنے اوپر بیتی قیامت کا بدلہ تم سے لے سکوں...... اور میں لوں گی...... ساری زندگی تمہیں اس گھر میں بٹھائے رکھوں گی، ساری زندگی'' عائلہ جنونی ہو رہی تھیں۔

اپنی ہیل کی جوتی وہ اس کے اوپر برسا برسا کر تسکین نہیں پا رہی تھیں۔

بالآخر عالیہ بیگم ہی انہیں زبردستی کھینچ کر کمرے میں لے گئیں۔

وہ گھٹی گھٹی سسکیاں لیتی رہی۔ دانیہ یونیورسٹی گئی ہوئی تھی ورنہ شاید یہ سب نہ ہوتا۔ اب اسے اپنی ٹیسوں، زخموں کو اکیلے ہی برداشت کرنا تھا۔ بات

بہت زیادہ بڑی نہیں تھی...... وہ لڑکی تھی...... اور آج یا کبھی اس کے لیے اچھا یا برا کوئی بھی رشتہ آنا ہی تھا اور یہ اس کی خوش قسمتی یا بدقسمتی کہ پہلا رشتہ ہی لاجواب آیا اور اسے نئے دکھ سے ہمکنار کر گیا۔ دلوں پر نفرت کی ایسی سیاہی چڑھ گئی تھی کہ اس گھر کے افراد انسانیت، اخلاقیات، رواداری سب چیزوں سے بے بہرہ ہو گئے تھے۔

●●●

''اچھا بھئی، لو سجاول سے بات کرو...... دونوں چپک کر کھڑے ہیں مجھ سے'' کاملہ خاتون نے ریسیور پاس کھڑے سجاول کو تھما دیا۔

''سناؤ سسٹر! کیا حال چال ہیں؟ اچھی گزر رہی ہے یا بری...... یونیورسٹی انجوائے منٹ کا ذریعہ ہے یا بورنگ جگہ ہے اور......؟''

''بس بس...... سانس تو لے لو۔ میں اتنے سوالوں کے جوابات ایک ہی سانس میں نہیں دے سکتی۔'' دانیہ کے لہجے میں بھائی کے لیے پیار ہی پیار تھا۔

''تو کس نے کہا ہے ایک ہی سانس میں دیں، ٹھہر ٹھہر کر دیں۔''

''بل تمہارا باپ بھرے گا کیا؟'' پاس کھڑے بلاول نے کہنی مار کر کہا۔

''نہیں تمہارا......'' سجاول نے اطمینان سے کہا۔

''بدتمیز، بابا کے بارے میں فضول گوئی کر رہے ہو۔ شرم آنی چاہیے تمہیں۔'' دوسری طرف سے دانیہ نے سن لیا تھا، فوراً ڈپٹنا فرض سمجھا۔

''توبہ ہے، دور بیٹھ کر بھی شیرنی بننے سے باز نہ آئیں...... ذرا تو پیار سے بات کرلیں۔''

''اچھا میرے پیارے بھائی، بڑے بھائی کہاں ہیں؟'' دانیہ نے لفظ شیرینی میں ڈبوئے۔

''اپنے کمرے میں مراقبہ کر رہے ہیں کوئی، کہیں تو بلاؤں؟''

''نہیں بس...... اماں کو فون دو'' سجاول نے گہری سانس کھینچ کر ریسیور اماں کے حوالے کر دیا اور خود صوفے پر بیٹھ کر گھڑی پر نظریں جما کر بہ آواز بلند منٹ گننے لگا۔

''اماں، بھائی کو بھیجئے گا مجھے لے جائیں۔ میرے کوالیفائنگ ٹیسٹ ہو چکے ہیں۔ سیکنڈ ایئر کی کلاسز لگنے میں کافی دیر ہے تب تک میں یہاں نہیں رہوں گی۔''

''ٹھیک ہے لیکن سلال تو کل رحیم یار خان اپنے کسی سرکاری کام کے لیے جا رہا ہے، تمہارے بابا آجائیں گے۔''

''وہ اماں......'' کہہ کر دانیہ چپ ہوگئی۔

''جلدی بولو...... سجاول کہہ رہا ہے 11 منٹ ہو چکے ہیں۔'' سجاول کی ہر منٹ پر بہ آواز بلند پکار کاملہ خاتون کو دہلا رہی تھی۔ سو بوکھلا کر انہوں نے کہا۔

''اماں دراصل روفا ہے ناں...... اس کی طبیعت کافی خراب ہے۔ گھر کے کام وغیرہ کرنے میں کافی دقت ہوتی ہے اسے اور خالہ تو زبردستی ہر کام اسی سے کروانے کے درپے رہتی ہیں۔ آپ کہیں تو اسے میں اپنے ساتھ لے آؤں؟''

''ہرگز نہیں'' اس کا خوشامدی انداز کاملہ خاتون پر ذرا برابر بھی اثر انداز نہ ہوا۔ بھڑک کر وہ چنگھاڑی تھیں۔ پاس بیٹھے سجاول اور بلاول تو اچھلے ہی تھے۔ دانیہ نے خود سٹپٹا کر ریسیور کان سے ہٹا لیا تھا۔

"کیوں اماں؟" وہ بسور کر پوچھنے لگی۔

"میں کہہ رہی ہوں ناں، نہیں تو بس نہیں" ان کے ماتھے کے بل بڑھ گئے تھے۔ اندر داخل ہوتا سلال ٹھٹک سا گیا۔ سوالیہ نظروں سے بلاول اور سجاول سے اماں کے غصے کی وجہ جاننا چاہی تو دونوں نے کندھے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا۔

"وہ ڈائن کی بیٹی میرے گھر میں قدم تو رکھ کر دیکھے...... اس کی تو بوٹیاں کتوں کے آگے ڈالوں گی ہی، تمہاری لگامیں بھی کس لوں گی بلکہ واپس بھیجوں گی ہی نہیں پڑھنے۔ بڑا ہمدردی کا بخار چڑھ رہا ہے تم پر...... بہت درد اٹھ رہا ہے اس لٹیرن کی بیٹی کے لیے۔ آ جاؤ یہاں، میں نکالتی ہوں ناں ساری اینٹھن...... بڑی آئیں ہمدرد و غمگسار۔ ایدھی کی جانشین...... نثار برنی کی لگتی......" اور جب اچھا خاصا لیکچر پلا کر انہوں نے فون بند کیا تو سجاول اور بلاول نے "بیں منٹ" کا نعرہ لگا کر لڑھکنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ سلال کی پرسوچ آنکھیں ماں پر جمی تھیں۔

"لو بھلا بتاؤ...... سارے جہاں کا درد تمہاری بہن صاحبہ کے جگر میں سمٹ آیا ہے۔ پڑھنے کے لیے ملتان بھیجا تھا۔ محترمہ وہاں سوشل ورک میں لگ گئیں۔ ساتھ لانا چاہ رہی تھی۔"

"کس کو ساتھ لانا چاہ رہی تھی؟" سلال نے بظاہر انجان بن کر پوچھا۔

"ارے روفا بدشکل کو اور کس کو؟" انہوں نے تڑخ کر کہا۔

"یہ "روفا بدشکل" کون ذاتِ شریف ہیں؟" بلاول نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"کام کرتی ہے تمہاری خالہ کے گھر" برا سا منہ بنا کے کاملہ خاتون نے جواب دیا۔ سلال تاسف سے انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

"اچھا...... سجاول نے حیرانی دکھائی "اتنے پیارے جدید سے نام کی نوکرانی؟"

"کیوں، نوکرانیاں انسان نہیں ہوتیں کیا...... ویسے اماں حضور، یہ روفا صاحبہ اتنے اچھے نام کے ساتھ "بدشکل" کی دم کیوں لگاتی ہیں۔ بائی دا وے یہ "بدشکل" ان کا تخلص ہے یا لقب یا نک نیم؟" بلاول کی زبان چالو ہو چکی تھی۔

کاملہ خاتون نے گھور کر دیکھا تو اس نے بمشکل بریک لگا لی۔

"چھوٹے ماموں کی بیٹی ہے" سلال نے دھیرے سے بتایا۔

"ہائیں...... رئیلی بھائی......!" دونوں بھائی اسپرنگ کے مانند اچھلے۔

"اماں، آپ تو کہہ رہی تھیں کہ......"

"میں جو کچھ کہہ رہی تھی، اس کی کیا اہمیت، یہ پیدا ہو نہیں گئے تمہارے بھائی اور بہن "چھوٹے ماموں" کی اولاد کو سینے سے لگانے والے۔ ہم بزرگوں کے لیے کیا باقی رہ گیا۔ ہم تو سمجھو لو گئے کام سے" وہ شدید ناراضی کا مظاہرہ کرتی بڑبڑاتی وہاں سے چلی گئیں۔ سلال نے دونوں بھائیوں کی جانب دیکھا جو "روفا نامہ" سننے کے منتظر تھے اور دھیرے دھیرے انہیں اس کے متعلق بتانے لگا۔

• • •

تقدیر کے سامنے انسان واقعی بے بس ہو جاتا ہے اور وہ سب کچھ ہو جاتا ہے جس کے نہ ہونے کے لیے انسان دعائیں مانگتے نہیں تھکتا۔ احتشام بھی بے بس ہو گئے تھے۔

گھر والوں کے زور دار واویلا نے بالآخر انہیں اپنی محبت سے منہ موڑنے

پر مجبور کر دیا تھا اور وہ کڑا ضبط کیے زینب سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دستبردار ہونے پر تیار ہو چکے تھے۔ حالانکہ اندر کہیں زوروں کی جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ جس معصوم کو محبت جیسی پر پیچ راہ کا مسافر انہوں نے خود بنایا تھا، اب اس کا ساتھ چھوڑ کر نیا راستہ اختیار کر رہے تھے۔

انہیں علم تھا کہ زینب ان کی منتظر ہوگی۔ سو جان بوجھ کر ہارون کے گھر نہیں گئے۔ لیکن کب تک...... تھک ہار کر خود سے لڑ لڑ کر اس دن وہ محض اسی خیال سے ہارون کے گھر گئے کہ اسے ساتھ لے جا کر زینب کے اسکول جائیں گے اور اس کے پاکیزہ جذبوں کو بے مول کرنے کی معافی مانگ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خدا حافظ کہہ دیں گے مگر ہوا کیا کہ...... تقدیر قد آور ہوگئی۔

زینب اسکول نہیں آتی تھی۔ پرنسپل کی زبانی پتا چلا کہ اس کی خالہ چھٹیاں لے کر گئی ہیں اور یہ کہ زینب کی شادی ہو رہی ہے۔ احتشام کا دل سکڑ کر رہ گیا۔

''اس کے گھر چلتے ہیں۔''

''مگر یار...... اس کی خالہ......؟'' ہارون نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔

''اگر مگر چھوڑو...... اور میرے ساتھ چلو'' نہ جانے کیا سوچ کر وہ اس کے گھر کے سامنے آن رکے۔

''زینب سے ملنا ہے۔'' کہہ کر ہر قسم کے متوقع ری ایکشن کو فیس کرنے کے لیے خود کو تیار کر لیا۔ توقع کے مطابق انہیں اندر لے جایا گیا۔ گھر میں شادی کے آثار قطعی نہیں تھے۔ مگر اکلوتے مگر کمرے میں سرخ گوٹا کناری سے سجا دوپٹا اوڑھے زینب بت بنی بیٹھی تھی۔ احتشام اس کی حالت دیکھ کر احساس جرم میں گھر گئے۔ سنہری، خوشبو دار رُتوں کی نوید سنا کر وہ اسے واپس جہنم میں پھینکنا چاہ رہے

تھے۔ یہ سوچ کر ہی وہ مضطرب ہو گئے۔

''اسے کیسے جانتے ہو؟'' خالہ کی موٹی بھدی آواز پر وہ چونکے تھے۔

''شادی کرنا چاہتا ہوں اس سے'' احتشام نے اطمینان سے کہا تھا۔ بت بنی زینب کی آنکھوں میں تحیر سمٹ آیا تھا۔

''ہلے بھئی!'' خالہ نے زور دار ٹھٹا لگایا ''پر میں تو اس کی آج شادی کر رہی ہوں'' احتشام نے ناگواری سے چارپائی پر بیٹھے منحنی سے وجود کے ''کریم داد'' کو دیکھا، جس نے شاید آج بھی پی رکھی تھی۔ متواتر جھوم رہا تھا۔ جسم پر گوشت نام کی کوئی چیز نہیں تھی اور تربوز جتنا سر پتلی گردن پر بمشکل ٹھہرا تھا۔

''کتنے پیسے لیے ہیں اس سے؟'' وہ بہت ضبط سے پوچھ رہے تھے۔

زینب کے آنسو ایک تواتر سے بہہ رہے تھے۔ اپنی بے بسی و کم مائیگی کا احساس مارے جا رہا تھا۔

''پچاس ہزار!''

''اچھا......'' ہارون کو قطعی یقین نہ آیا ''کہیں ڈاکا ڈالا تھا کیا اس نے؟''

''ارے ڈاکا ڈالا ہو یا چوری کی ہو...... مجھے تو میرے پیسے مل ہی گئے'' وہ زور سے بولی۔ ناگواری و غصے کی شدید لہر کو دباتے ہوئے احتشام نے جیب سے چیک بک نکالی اور رقم گھسیٹ کر خالہ کے منہ پر اچھال دی۔

''اتنی رقم مل جائے گی تمہیں کہ اس دنیا میں تو عیش و آرام سے رہو گی ہی، کفن دفن کا انتظام بھی اعلیٰ پائے کا ہو جائے گا۔ زندگی میں دوبارہ کبھی زینب کا نام بھول کر بھی مت لینا...... سمجھ گئیں'' احتشام نے غرا کر کہا تھا پھر آنسو بہاتی زینب کا ہاتھ پکڑا اور صحن عبور کر گئے۔ پیچھے سے خالہ آنکھوں کو چندھیا دینے والی رقم

پا کر خوشی سے آدھی پاگل ہو چکی تھی۔ جبکہ کریم داد ''میری دلہن...... میری دلہن'' پکارتا گرتا پڑتا دروازے تک آیا تھا۔

ہارون کے گھر نکاح کا انتظام ہوا۔ ہارون کے والد نے سر پر دست شفقت رکھ کر دعائیں دی تھیں۔ ستارہ دوست کو بھابی کے روپ میں دیکھ کر خوش ہوئی جا رہی تھی۔ رات میں گھر جانے سے پہلے احتشام نے تنہائی میں زینب سے کہا تھا۔

''اب ہر غم، ہر دکھ اور ہر پریشانی ماضی کا حصہ سمجھ کر کہیں پھینک دو، میں تمہارے ساتھ ہوں، ہمیشہ رہوں گا۔ دنیا کی تپتی جھلساتی نظروں سے بچانے کے لیے ہمیشہ تمہیں اپنے دل میں چھپائے رکھوں گا۔ صرف تھوڑا سا حوصلہ پیدا کر لو، بہت بڑا قدم اٹھایا ہے میں نے۔ رویے بھی بدل جائیں گے اور چہرے بھی۔ تمہیں سب کچھ نہایت صبر سے برداشت کے ساتھ میری خاطر سہنا ہوگا۔ مجھے امید ہے، کبھی نہ کبھی حالات بہتر ہو ہی جائیں گے'' زینب نے مسکرا کر ان میں نئے سرے سے توانائی بھری تھی۔

● ● ●

''یعنی کہ حد ہی ہو گئی'' ہاتھ میں پکڑا چائے کا ایک کپ دانیہ نے زور سے میز پر پٹخا تھا۔ ''میں یہاں سکون سے چھٹیاں گزارنے آئی ہوں۔ اس لیے نہیں کہ آپ میرے سامنے مجھے رخصت کرنے کی باتیں کر کے بے سکون کریں۔''

''تو ہم پر کیوں ناراض ہو رہی ہیں؟'' بلاول نے بیچ میں ٹانگ اڑائی

''بڑے ماموں سے بنگالیں ناں جنہوں نے فون کر کے آپ کے وارنٹ گرفتاری

کی اطلاع پہنچائی ہے۔''

''تم مت بولو، بندر کہیں کے'' اس نے چیخ کر کہا۔

''لیجیے......'' بلاول کو سجاول کی کھی کھی پر صدمہ سا ہوا'' ڈولی وہ اٹھانے آ رہے ہیں اور بندر میں ہو گیا۔ نیکی کا تو زمانہ ہی نہیں رہا۔''

''اپنی نیکیاں اپنے گلے میں ڈال لو...... مجھے نہیں ضرورت ان کی۔''

''بھئی کیوں غصے ہو رہی ہے ہماری پری؟'' حیدر عباس شاہ نے اخبار ایک طرف رکھ دیا تھا۔ توجہ ساری کی ساری دانیہ کے سرخ چہرے پر مبذول کر دی۔

''بابا...... آپ ہی بتایئے یہ کہاں کا انصاف ہے...... پہلے ماموں نے کہا تھا کہ میں اپنی تعلیم مکمل کر لوں پھر شادی کے لیے کہیں گے اور اب وہ مکر گئے اپنی زبان سے۔ اور اپنی بیوی صاحبہ کو دیکھیے ذرا...... آنکھیں بند کر کے ان کی بات پر ہاں کر دی یہ سوچے بنا کہ میرا ماسٹرز ادھورا رہ جائے گا اور ابھی میں نے خود کو مینٹلی تیار کرنا ہے شادی کے لیے...... تب کہیں جا کر ہاں کروں گی اور......''

''ہاں بھئی، میری بیوی صاحبہ......!'' حیدر شاہ نے شگفتگی سے کاملہ خاتون کو پکارا جو دانیہ کی فراٹے بھرتی زبان پر پیچ و تاب کھائے جا رہی تھیں۔

''بھلا بتایئے یہ کہاں کا انصاف ہے...... میری بچی کی چھٹیاں غارت کر رہی ہیں آپ......؟''

''آپ کی بچی اب ایسی بھی بچی نہیں رہی۔ بھابی کہہ رہی تھیں بھیا کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔ اکیلے گھر نہیں سنبھال سکتیں۔ فرہاد کی شادی کر کے مستقل پاکستان آنا چاہ رہے ہیں وہ لوگ...... پڑھائی اس کے بعد میں ہوتی رہے گی۔''

"ارے واہ......" دانیہ نے چمک کر کہا "شادی کے بعد کون پاگل پڑھائی کرتا ہے؟"

"میں نے کی تھی" کاملہ خاتون نے گرج کر جواب دیا۔

"تو گویا آپ اماں کو پاگل کہہ رہی تھیں؟" بلاول نے ان کے غصے کو مزید ہوا دی۔

"بھائی، آپ ہی کچھ سمجھائیے ان کو؟" وہ روٹھی سی سلال کے پاس جا بیٹھی۔

"کوئی کچھ نہیں کرے گا۔ تم ریلیکس ہو کر اپنی اسٹڈی کی جانب توجہ رکھو۔ فضول کی باتیں سوچنے کی ضرورت نہیں" سلال نے نرمی سے یقین دلایا۔ وہ خوش ہوگئی۔

"یہ بھی تو کہیے ناں...... میرے صاف ستھرے بھائی زندہ باد" سجاول نے اسے بھڑکانا چاہا۔ وہ زبان نکالتی فون اسٹینڈ کی طرف بڑھ گئی۔

"تم دونوں باپ بیٹا اس کو بہت سر پر چڑھا رہے ہو۔ اچھا نہیں ہے یہ سب۔"

"ارے بیگم! ہم نے تو آپ کو بھی سر پر چڑھا رکھا ہے، یہ اچھا ہے کیا؟"

"آپ سے تو بات کرنا ہی پتھر سے ماتھا پھوڑنا ہے۔ آپ خود سر چڑھے ہی نہیں نک چڑھے بھی ہیں" حیدر شاہ کی خوبصورت مسکراہٹ انہیں جلا گئی تھی۔ شرافت سے چائے کا کہنے کے بہانے وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ سلال مسکرا رہا تھا۔

"ارے کہاں چل دیں...... چراغ گل ہو جائیں گے" حیدر شاہ کچھ زیادہ چہکے۔

"ہونہہ!" وہ تن فن کرتی چلی گئیں۔ حیدر شاہ نے جاندار سا قہقہہ لگایا تھا۔

"ویسے میرا خیال ہے سلال بیٹا...... اعصام اگر اب واقعی شادی پر زور دے رہا ہے تو کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ دانیہ بچی ہے، بعد میں خود ہی سنبھل جائے گی۔ پڑھائی بھی ہو جائے گی۔ شادی بہرحال کر دینی چاہیے" سنجیدہ ہو کر انہوں نے سلال سے کہا تھا۔ وہ چائے کا خالی کپ رکھ کر سیدھا ہو بیٹھا۔

"اس میں کوئی برائی تو نہیں، دانیہ کی وجہ سے میں کچھ ٹال رہا تھا۔ لیکن خیر، آپ کہہ رہے ہیں تو ٹھیک ہے...... بڑے ماموں کو رضامندی دے دیتے ہیں۔ دانیہ کو بس کنوینس کر لوں گا" اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

تین سال پہلے پاکستان آمد کے دوران میں نٹ کھٹ سی دانیہ نے اپنے ماموں زاد فرہاد کے دل تک رسائی حاصل کی تھی اور اس نے بزرگوں تک اپنی بات پہنچانے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ کسی کو اعتراض ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ ہنسی خوشی فرہاد نے دانیہ کو اپنے نام کی انگوٹھی پہنائی تھی۔ ماموں نے کہا تھا کہ وہ دانیہ کی پڑھائی مکمل ہو جانے کے بعد شادی کریں گے۔ مگر اب ارادہ بدل گیا تھا شاید...... دانیہ بے چینی سے فرہاد کی کال کی منتظر تھی۔ اس کو جھاڑ پلا کر اس نے کچھ تو سکون پانا تھا آخر۔

اچانک ہی بیٹھے بٹھائے پکنک کا پروگرام بن گیا تھا۔ روفا کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی سو دانیہ کے پر زور اصرار کے باوجود بھی اس نے ساتھ چلنے سے معذرت کر لی۔ عالیہ بیگم اور عائلہ دونوں کینہ توز نظروں سے اسے گھور رہی تھیں۔ اس نے انکار کیا تو چہرے کے زاویے دوبارہ پکنک پر جانے کے قابل بنائے۔

دانیہ کے مارکس بہت اچھے آئے تھے۔ اسی خوشی میں اس نے سب کو آئس کریم بھی کھلائی تھی۔

"یہ نہ ہو ہمارے جانے کے بعد بستر پر مرجانا، واپس آئیں تو گھر کا ایک ایک کام مکمل ہو، بیماری کا بہانہ بنا کر لیٹے ہونے کا تمہیں ویسے ہی بڑا شوق ہے۔"

"سنو....." عالیہ بیگم کی بات کو عائلہ نے آگے بڑھایا "میرے دھلے ہوئے سارے کپڑے استری کر کے ہینگ کر دینا۔ ایک بھی پہننے لائق نہیں رہا" دانیہ کے اندر آتے ہی دونوں نے چپ سادھ لی۔

"خواہ مخواہ ہی تم مزہ کرکرا کر رہی ہو۔ ساتھ چلی آؤ، بے شک ایک ہی جگہ پر بیٹھی رہنا۔ میرا دھیان تمہاری طرف لگا رہے گا" وہ گاڑی سے نکل کر یہاں تک صرف اس سے یہی کہنے آئی تھی۔ روفا نے اپنی کلائی آگے کر دی۔

"دیکھو مجھے کتنا بخار ہو رہا ہے..... میں بیٹھ بھی نہیں سکوں گی۔"

"اور گھر میں تو جیسے تم بیڈ ریسٹ کرو گی ناں؟" اس کی تپتی کلائی چھوڑتے ہوئے دانیہ طنزیہ بولی تھی۔ ان کے جانے کے فوراً بعد وہ کچن میں آ کھڑی ہوئی۔ سکینہ موقع سے فائدہ اٹھا کر ٹی وی کے سامنے جا بیٹھی تھی۔ اب نہ تو اسے یہاں سے بوا کی چنگھاڑتی، لتاڑیں پھٹکاریں اٹھا سکتی تھیں اور نہ روفا کی التجائیں۔ سکینہ صاحبہ نے گھر والوں کے آنے تک یہیں دھرنا مارے رکھنا تھا۔

اب بھی اسے ٹی وی کے سامنے جمے دیکھ کر بوا کی بڑبڑاہٹیں شروع ہو گئی تھیں۔

"بس کر دھی! تو بس کر۔ باقی کے برتن میں دھو لیتی ہوں۔ یہ حرام خور تو

اب "مجرے" دیکھ کر ہی اٹھے گی" کچن میں آ کر بوا نے نرمی سے اسے پیچھے ہٹانا چاہا۔

"تھوڑے سے ہیں بوا..... دھولوں تو آپ خشک کر کے رکھ دیجئے گا۔"

"ہائے زمانہ....." بوا نے گہری سانس بھر کر کہا۔ روفا کی نقاہت نے انہیں آبدیدہ کر دیا تھا۔ "کیسا زمانہ آ گیا ہے۔ اپنوں کے خون ہی سفید ہو گئے۔ سگے بھائی کی اولاد آنکھوں میں کھٹک رہی ہے۔ پیروں کی جوتی بنا ڈالا ظالموں نے..... اور اگر جو آج احتشام زندہ ہوتے تو میں دیکھتی، کیسے یہ تمہیں نظر انداز کرتے۔ بڑا پیار کرتے تھے وہ زینب سے۔ پر ختم ہو گیا سب..... مٹی میں مل گئے ہیرا بندے" برتن دھل چکے تھے۔ وہ سنک کے کنارے پکڑے کھڑی رہی۔ بوا کے منہ سے اپنی امی ابو کا ذکر اچھے لفظوں میں سن کر تن من ٹھنڈی پھوار میں بھیگ رہا تھا۔

"ارے، اپنی مرضی سے شادی کرنا کون سا گناہ ہے..... بس یہ تو عائلہ کی طلاق نے سب کے دماغ پھیر دیے۔ گھر کا گھر احتشام کے خلاف ہو گیا۔ بے چارے کب تک تنہا لڑتے" بوا کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ نزدیک اسٹول پر بیٹھ گئی۔

"بوا.....!" سرسراتی ہوئی آواز میں اس نے پکارا "میرے امی ابو مجھ سے پیار کرتے تھے؟" آنسو خود بخود گالوں پر لڑھک آئے۔

"ارے، ایسا ویسا!" بوا نے جوش میں آ کر کہا "احتشام میاں پینتیس کے تھے جب تم پیدا ہوئیں۔ ذرا بڑی عمر کے تھے۔ تمہیں کلکاریاں مارتے، روتے چلاتے، ہنستے ہوئے غوں غاں کرتے دیکھتے تو نہال ہو جاتے۔ ان کی تو جان تھی تم

میں۔ بڑی بہو روحی ان کا یہ پیار دیکھ کر جل جاتیں، کہتی تھیں ''احتشام نے بڑھاپے میں شادی کی ہے اور پھر باپ بنا ہے، جبھی اسے نیا نیا سا لگ رہا ہے ورنہ تو سارا جہاں باپ بنتا ہے، اولاد کے لیے ایسا پاگل کسی کو ہوتے نہیں دیکھا'' اور میں سچ ہی کہتی ہوں'' بوا نے سسکی لی تھی ''میں کہتی ہوں احتشام میاں کو، ان کی خوشیوں کو سب کی جلتی نظر کھا گئی۔ اپنی معصوم سی جان کو وہ دنیا میں اکیلا جینے کے لیے چھوڑ گئے، کبھی نہ واپس آنے کے لیے......''

کتنی ہی دیر تک وہ کچن میں اسٹول پر بیٹھی آنسو بہاتی رہی تھی۔ بوا نے نہ صرف برتن دھو کر خشک کیے تھے بلکہ اپنے اور روفا کے لیے کھانا بنانے کے لیے پیاز، لہسن وغیرہ بھی چھیل دیے تھے۔ ٹھنڈی گہری سانس کھینچتی وہ کچن سے اٹھ کر عائلہ کے کمرے میں آ گئی۔ ان کے دھلے کپڑے آئرن اسٹینڈ پر رکھ دیے۔ بخار اتنا زیادہ ہو رہا تھا کہ اسے کچھ نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔ مگر وہ ڈھیٹ بنی اپنی حالت سے نظریں چرائے کام میں مشغول رہی۔

سکینہ کا انہماک اس کے بھائی نے آ کر توڑا تھا۔ اس کی ماں کی طبیعت بگڑ گئی تھی۔ وہ جھٹ پٹ چپلیں اڑس کر باقی کا کام روفا پر لاد کر چلی گئی۔

بوا نے سالن بھی چڑھا دیا تھا۔ روفا کو ان کی عنایتیں بھلی لگتی تھیں۔ اس کا دل کھل سا جاتا تھا۔ دنیا میں کوئی فرد تو ایسا تھا ناں جو اس کی پروا کرتا تھا۔ دفعتاً ڈور بیل بجی تھی۔ روفا کا ذہن آہستہ آہستہ سو رہا تھا۔ چند لمحوں بعد مرکزی دروازہ کھول کر سلال کو اندر آتے دیکھا۔

''السلام علیکم!'' سلال نے شائستگی سے سلام کیا تھا۔ مگر وہ خالی خالی آنکھوں سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ تاریکی کی ہمسفر بن گئی ہو۔ چہار سو ہر منظر مٹ گیا تھا۔ صرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔

''روفا...... آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے...... ارے......'' لہرا کر گرتی ہوئی روفا کو سلال نے آگے بڑھ کر تھاما تھا۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ سلال کی آواز سن کر بوا نے کچن سے جھانکا تو افتاں و خیزاں اس کی طرف لپکیں۔

''یہ......'' سلال پریشان ہو گیا تھا۔

''بیٹا...... اسے اس کے کمرے میں پہنچا دو'' بوا کے کہنے پر وہ ان کے پیچھے اسے بازوؤں میں اٹھائے چلا آیا۔

''بخار سے پھنک رہی تھی معصوم! مگر ظالم پھوپھیوں نے لگتا ہے جان نہیں دینی خدا کو۔ کتنے دن ہو گئے علاج کروانے کے بجائے اسے رگڑ رہی ہیں کام میں۔ آج خود سب کے سب چلے گئے سیریں کرنے اور بیمار کے کندھوں پر کام ڈال گئے۔ بے ہوش تو ہونا ہی تھا اس نے'' بوا کی شکایتوں نے سلال کو بھی تاسف میں گھیر لیا تھا۔ وہ کچھ دیر تو اس کے کملائے ہوئے چہرے کو دیکھتا رہا۔ پھر بوا کی سمت متوجہ ہوا۔

''آپ میرے ساتھ چلیں...... انہیں اسپتال لے چلتے ہیں۔ مکمل چیک اپ وغیرہ ہو جائے گا اور میڈیسنز بھی لیتے آئیں گے۔''

''جیتے رہو، دانیہ کے بھائی ہو ناں...... اسی کے جیسے نرم دل۔ وہ بھی اس کا بہت خیال رکھتی ہے'' بوا کی آنکھوں میں تشکر تھا۔ سلال نے اسے دوبارہ اٹھا کر گاڑی میں ڈالا اور اپنے جاننے والے ڈاکٹر کے اسپتال لے آیا۔ روفا کو بخار بہت تیز تھا۔

اس کی ٹریٹمنٹ اور پھر ہوش میں آنے تک کافی دیر ہو گئی۔ ''ان کے لیے

سب سے زیادہ ضروری چیز آرام ہے۔ مکمل بیڈ ریسٹ دیں انہیں۔ نہیں تو پیچیدگی ہوسکتی ہے۔" ڈاکٹر ضیا نے چھٹی دینے سے پیشتر ہدایات کی تھیں۔

سلال سر ہلاتے ہوئے حیران پریشان سی روفا کو اپنے پیچھے آنے کا کہہ کر گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ وہ خود کو اسپتال میں اور وہ بھی سلال کے ساتھ دیکھ کر تشویش کا شکار ہوگئی تھی۔ پہلا خیال ہی عالیہ بیگم اور عائلہ کا آیا تھا۔ شام ہوگئی تھی، وہ یقیناً واپس آچکے ہوں گے۔

"بوا...... مجھے یہاں کیوں لے آئیں۔ میں خود ہی ٹھیک ہو جاتی" گاڑی میں بیٹھنے کے بعد اس نے بوا سے کہا۔ سلال نے مڑ کر سیٹ کر کے اس کی گھبرائی ہوئی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ وہ متواتر انگلیاں مروڑنے میں لگی ہوئی تھی۔

"یعنی اس سے پہلے بھی آپ یونہی بے ہوش ہوتی رہی ہیں؟" سلال نے یونہی پوچھ لیا۔

وہ روہانسی ہوئی جارہی تھی۔

"ویسے وہ منتر بھی بتادیں جسے پڑھ کر آپ اتنی شدید بیماری کے شکنجے سے خود ہی ٹھیک بھی ہو جاتی ہیں۔ میں ڈاکٹر ضیا کو بتا دوں گا" سلال نے طنز کیا تھا یا مذاق، وہ چپ بیٹھی رہی تھی۔

"سیدھی بات ہے بیٹا! یہ معصوم اپنی پھپھیوں کے عتاب کی وجہ سے گھبرا رہی ہے جو اسے تمہارے ساتھ دیکھ کر نازل ہوگا۔"

"او...... آئی سی!" بوا کے اطلاع دینے پر سلال نے دوبارہ سرمئی آنکھوں کو دیکھا جن میں گھبراہٹ کے ساتھ ساتھ ناراضی بھی آگئی تھی۔ "بہت عجیب بات ہے۔ ایک انسان مر رہا ہو اور میں اس کی مدد بھی نہ کروں۔"

"ضرور کرو بیٹا، مگر وہ انسان "روفا" نہ ہو...... خیر، یہ تو تمہاری مہربانی کہ تم نے اس کی مدد کی۔ اب اپنی خالاؤں کی مار سے بھی بچانا اسے۔"

"واٹ!" اس نے بے ساختہ پیچھے دیکھا تھا۔ روفا ہونٹ کاٹ رہی تھی۔ "یہ خالہ سے مار بھی کھاتی ہیں؟"

"ارے شوق سے کہاں کھاتی ہے۔ بلاوجہ، بنا کسی قصور کے کھلائی جاتی ہے۔ ہر ہر ہفتے کے بعد کوئی نہ کوئی قصور ڈھونڈ نکالا جاتا ہے۔ اور اس کی جان عذاب میں آجاتی ہے۔ عائلہ تو کھال ادھیڑ کر رکھ دیتی ہے معصوم کی۔"

"بوا...... بس کریں...... پلیز!" روفا نے چیخ کر کہا۔ بوا فوراً چپ ہوگئی تھیں۔ سلال ہونٹ بھینچے بیک ویو مرر میں سے اس کے مضطرب چہرے کو وقتاً فوقتاً دیکھتا رہا۔ اپنی عزت کس کو عزیز نہیں ہوتی۔ وہ جیسی بھی زندگی گزار رہی تھی، اپنے لیے گزار رہی تھی۔ اس کا اشتہار چھپوا کر دنیا والوں کو دکھانا اسے مقصود نہیں تھا۔

* * *

ناراضی، غصہ، نفرت، حقارت اور کیا کچھ نہیں تھا سب کے چہروں پر۔ چادر میں لپٹی سلال کے ہم قدم چلتی، اس کی دراز قامت کا ساتھ دیتی "روفا ملک" سب کے لیے آزمائش بن گئی تھی۔ سلال نے منٹوں میں خالاؤں کے مزاج کا اندازہ لگا کر خود ہی گرم جوشی سے سلام کیا۔

"بھائی، آپ......!" دانیہ کو اس کی آمد حیران کر گئی تھی۔

"ہاں، پروگرام بن گیا...... تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔ پہلے اپنی تیاری کر آؤ، باقی باتیں بعد میں بتاؤں گا۔"

"لیکن بھائی، میری فائنل ایئر کی کلاسز ابھی نئی نئی اسٹارٹ ہوئی ہیں۔"

"کوئی بات نہیں، تم تیاری کر آؤ۔ اس کی دلیل کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے سلال نے سخت لہجہ اپنایا۔ وہ بمشکل اٹھ گئی۔

"بیٹھ جائیں روفا!" سلال کی نظر دروازے پر استادہ روفا پر پڑی تو اس نے شائستگی سے کہا۔ سمیلہ کا بس نہ چلا روفا کو کچا چبا جائے۔

"سلال بھائی، یہ تو کوئی بات نہ ہوئی، آپ کا آنا نہ آنا برابر ہوا۔ یوں کھڑے پیروں تو غیر بھی نہیں آتے ہمارے گھر" سمیلہ نے بن بن کے چند جملے ادا کیے تھے۔

"ہاں واقعی، یہ بات تو ہے لیکن اب آپ کو شکایت نہیں ہوگی بلکہ عالیہ خالہ، یہ بات تو میں بتانا ہی بھول گیا کہ دانیہ کو میں بہت اہم بات کی وجہ سے لے جا رہا ہوں۔ بڑے ماموں کا فون آیا تھا۔ کچھ دنوں میں وہ پاکستان پہنچنے والے ہیں۔ آتے ہی وہ فرہاد اور دانیہ کی شادی کرنا چاہتے ہیں۔ بس اسی وجہ سے اب آپ سب کو ہمارے گھر آنا پڑے گا۔"

"ارے ہاں...... ان کا فون پرسوں یہاں بھی آیا تھا۔ یہاں مستقل آنے کا ذکر کر رہے تھے۔ مجھے اندازہ نہیں ہوا کہ وہ شادی کے لیے آ رہے ہیں" عالیہ بیگم نے تفصیلاً بتایا۔ "لیکن دانیہ کا ایک ہی سال ہے بس...... وہ تو مکمل کر لے۔"

"ہو جائے گا چھوٹی خالہ...... شادی کے بعد پڑھتی رہے گی" تبھی ناراض ناراض سی دانیہ بیگ گھسیٹتی لاؤنج میں آ گئی۔ دل میں خطرے کے الارم مسلسل بج رہے تھے۔ سلال کا آنا اسے بے معنی نہیں لگ رہا تھا۔

"چلیں......" منہ بگاڑ کر اس نے کہا۔

"ہاں وہ......" کچھ سوچتے ہوئے سلال کی نظریں روفا کے مضمحل چہرے پر ٹک گئیں۔ "روفا، آپ بھی تیاری کر آئیں۔ کچھ دن ہمارے گھر رہ لیں۔ آب و ہوا کی تبدیلی طبیعت پر اچھا اثر ڈالتی ہے۔"

"جی......" سلال کی بات کے جواب میں وہ ہکا بکا سی ہو گئی۔

"یہ کیسے جا سکتی ہے سلال بیٹے! یہاں ہزاروں کام ہوتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ گھر کے علاوہ کہیں گئی نہیں۔ تو اتنے دن رہ کیسے سکے گی۔ میری مانو، اسے رہنے دو۔ جب شادی کے دن قریب آئیں گے، میں خود اسے لے آؤں گی" عالیہ بیگم پتا نہیں کس دل سے ہونٹ پھیلا کر بات کر رہی تھیں۔ ورنہ دل تو چاہ رہا تھا روفا کا قیمہ بنا ڈالیں۔

"سمجھا کریں نا خالہ جان! میری اماں بھی اسے پلنگوں پر ہرگز نہیں بٹھائے رکھیں گی۔ شادی کی تقریب سے پہلے ہی کئی کاموں کا آغاز ہو جاتا ہے۔ میرا خیال ہے یہ وہی کام ہی کروا دے گی۔ ہمارا بھی کچھ حق بنتا ہے ناں......" بڑی خوبصورتی سے سلال نے بات کا رخ پھیر کر بالآخر عالیہ بیگم کو مطمئن کر دیا تھا۔

"ایسی بات ہے تو ضرور لے جاؤ۔ بلکہ آپا سے کہنا کہ کچن کے سارے کام اس کے سپرد کر دیں۔ اپنی جان ہلکان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس سے مفت کی روٹیاں نہ تڑوائیں۔" عائلہ نے بھی بظاہر مسکراتے ہوئے مشورہ دے ڈالا۔

"ضرور کہوں گا...... آپ بے فکر رہیے۔ آخر فائدے کے لیے ہی لے کر جا رہا ہوں" وہ با ادب بنا عالیہ بیگم کو نظر لگنے کی حد تک پیارا لگ رہا تھا۔ چند لمحوں کے بعد دانیہ اور سلال کے ہمراہ "روفا ملک" ان کی پجارو میں بیٹھی تھی۔ جاتے وقت بوا نے جی بھر کر دعائیں دی تھیں۔ عالیہ بیگم اور عائلہ نے خدا حافظ کہنا تو دور

کی بات منہ ہی پھیر لیا تھا۔

''نہ جانے بڑی پھپھو کیا سلوک کریں؟'' سارا رستہ خالی دماغ میں یہی سوال یہاں سے وہاں تک لڑھکتا رہا۔

● ● ●

طوفان آ کے جاتے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ احتشام کی شادی کی اطلاع ان کے تایا کے گھر نہ جانے کیسے پہنچ گئی۔ بنا کوئی پوچھ گچھ کیے کوئی وجہ دلیل جاتے تایا اپنے داماد اور بیٹے نعمان کے ہمراہ اگلے ہی دن آئے اور عائلہ کے لیے تین حرفوں کا کاغذ تحفتاً دے گئے۔ عائلہ کی دلدوز چیخوں نے گھر کی دیواریں ہلا دیں۔ وہ ٹکریں مار مار کر روتی رہی۔ بےقصور ہی وہ اجڑ گئی۔ پیا کے آنگن میں قدم رکھنے سے پہلے ہی طلاق کا دھبا دامن پر سجا بیٹھی۔ بے جی کا بلکنا، ابا کا ایک دم بڑھنے والا بڑھاپا، بڑے بھائی کا غصہ اور سب سے بڑھ کر گھر آئی خواتین کی آنکھ ں سے جھانکتا ترس۔ ہمدردی کی بارش نکیلی تلواروں کے مانند چبھتا تمسخر۔

وہ دنوں میں ہی مرجھا گئی۔ برسوں ایک چہرے کو دل اور آنکھوں میں سجائے رکھا تھا۔ اچانک ہی اس چہرے نے دل کا آنگن چھوڑا تو وہ غم کی شدت سے ادھ موئی ہو کر رہ گئی۔ نروس بریک ڈاؤن ہو گیا۔ اسپتال میں موت و زندگی سے جنگ لڑ لڑ کر جب وہ بڑے بھائی کے ہمراہ گھر میں داخل ہوئی تو احتشام...... بے جی کے قدموں میں بیٹھے تھے۔

''میں تجھے کبھی معاف نہیں کروں گی شام کبھی نہیں۔ تو نے ایک ساتھ کئی زندگیوں کو تباہ کر ڈالا۔ زاہدہ کو طلاق دی، اس کا خمیازہ تیری بہن بھگت رہی ہے۔

بتا مجھے کون آئے گا اب اس دہلیز پر اس کا ہاتھ تھامنے، بتا مجھے......'' بے جی کے آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ عائلہ کی ویران آنکھیں کونے میں دبکی اس مسکین سی لڑکی پر اٹھیں تو ہٹنا بھول گئیں۔ بلاشبہ وہ بہت خوبصورت تھی مگر عائلہ کے لیے زہر سے بدتر ثابت ہوئی۔ وہ اعتصام سے اپنا آپ چھڑا کر زینب پر جھپٹ پڑی۔

''ذلیل، کمینی، لٹیرن...... کیوں آئی ہو یہاں، کس نے آنے دیا تمہیں، طوائف...... تم نے میرے بھائی کو ہم سے چھین لیا۔ میرا گھر اجاڑ دیا۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ خون پی جاؤں گی تمہارا...... بوٹیاں نوچ ڈالوں گی! غلیظ مال کھانے والی۔ کیچڑ میں پلنے والی، ناپاک عورت...... میں...... میں'' وہ پاگل بنی زینب کو نوچ رہی تھی۔ زینب اس اچانک افتاد پر سنبھل ہی نہ سکی تھی۔ منہ اور آنکھیں کھولے وہ عائلہ کے ہاتھوں پٹتی رہی۔

''بس کرو عائلہ! کیا جان لے کر رہو گی اس کی'' احتشام نے بمشکل اسے چھڑایا۔

''ہاں...... میں مار ڈالوں گی اسے۔ یہ خونی ہے، میری محبت کا خون کیا ہے اس نے'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ بے جی نے بھی دوپٹے میں منہ چھپا لیا۔

''معافی مانگنے آئی ہے تم سے۔ اگرچہ اس کا کوئی قصور نہیں لیکن پھر بھی یہ تمہارے پاس معافی مانگنے آئی ہے'' زینب زرد چہرہ لیے شوہر کو دیکھتی رہی۔

''نہیں معاف کرنا مجھے، یہ خونی ہے...... یہ......'' روحی بھابی روتی بلکتی عائلہ کو کمرے میں لے گئیں۔ احتشام احساس جرم میں گھر گئے۔ زینب کو اپنے

کمرے میں لے گئے۔

''سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا زینی! بس تم ہمت نہ ہارنا، بدسلوکیوں سے نہ گھبرانا۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس سے زیادہ وہ خود کو حوصلہ دے رہے تھے۔ زینب ان کے سینے سے لگی آنسو بہاتی رہی۔

بڑی منتوں سماجتوں کے بعد احتشام کو اس گھر میں رہنے کی اجازت ملی۔ وہ بھی بے جی کا دل کچھ نرم پڑا تب وگرنہ ابا تو انہیں عاق کرنے کے درپے تھے۔ اب زندگی...... زندگی نہیں، آزمائش بن گئی تھی۔ ہر نیا دن امید کے نام پر شروع ہوتا اور نا امیدی کے کوڑے برسا کر اختتام پذیر ہو جاتا۔ زندگی کٹھن اور طویل ہو گئی تھی۔ بدسلوکیاں مارے جا رہی تھیں لیکن پھر بھی زینب ثابت قدم رہی۔ احتشام کی محبت اسے تھکنے نہیں دے رہی تھی، یہ کیا کم تھا۔

•••

سہمی سہمی سی زرد رو...... سرمئی آنکھوں والی روفا کو دیکھ کر کاملہ بیگم پہلے تو انگشت بدنداں رہ گئیں پھر حیرت کی جگہ غصے نے لے لی۔

''اماں! یہ روفا ہے'' سلال نے گلا کھنکھار کر اسٹیچو بنی کاملہ بیگم کا سکتہ توڑنے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہ تو سرتاپا سلگ رہی تھیں۔ بیٹے، کی تھکن بھی نظر نہیں آئی۔ پیر پٹختی روفا پر کڑی نظریں ڈالتی وہ کمرا ہی چھوڑ گئیں۔ بلاول اور سجاول البتہ دلچسپی سے اپنی کمزور سی کزن کا جائزہ لینے میں مصروف تھے۔

'' آپ کہیں ایتھوپیا یا صومالیہ سے تو نہیں آ ئیں؟'' بلاول کی زبان نہ کھجلاتی، یہ ممکن نہیں تھا۔

''یا پھر پیدائشی فاقہ زدہ ہیں؟'' سجاول نے بھی انٹری ماری۔

روفا کی حالت مزید پتلی ہوگئی۔ عون اور مامون کے بدتہذیب رویے سے تنگ آئی اب ان جیسے ہی دو اور نمونوں کے چنگل میں آن پھنسی تھی۔

''بائی داوے، کچھ کھایا پیا کریں۔ ہوا خوری اتنی بھی اچھی نہیں ہوتی...... زیادہ ہوا خوری کی تو پھر آپ عرشِ معلیٰ تک پہنچ جائیں گی اور......''

''دانیہ......'' سلال نے زور سے پکار کر دونوں بھائیوں کو الارم دیا تھا چپ ہونے کے لیے۔''روفا کو اپنے ساتھ لے جاؤ...... یہ تھک گئی ہوں گی۔ میڈیسن وغیرہ دے کر انہیں ریسٹ کرنے دو...... اور تم دونوں بھاگو یہاں سے۔ سوائے زبان ہلانے کے کوئی اور کام نہیں!'' دونوں نے دم دبا کر نکلنا مناسب سمجھا تھا۔ دانیہ روفا کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کمرے میں لے گئی۔

مسلسل سفر کرنے کی وجہ سے سر میں درد سا ہو رہا تھا۔ سلال، شرافت کو چائے کا کہہ کر اسٹڈی روم میں بابا کو سلام کرنے چل دیا۔ کاملہ بیگم وہاں پہلے سے ہی موجود تھیں۔ چہرے کے بگڑے زاویے شدید ناراضی کا اعلان کر رہے تھے۔ وہ اس وقت قطعی کسی بحث کے موڈ میں نہیں تھا۔ تھکن حاوی ہوتی جا رہی تھی۔

''السلام علیکم بابا جان!'' ماں کی طرف دیکھنے سے گریز کیا تھا۔ جبکہ ان کی چبھتی ہوئی نظریں اس کے خوبصورت چہرے پر ٹکی تھیں۔

''وعلیکم السلام! جیتے رہو۔'' حیدر عباس شاہ نے گرم جوشی سے جواب دیا۔ اپنے قد سے اونچے سلال شاہ کو دیکھ کر ان کا سیروں خون بڑھ جاتا تھا۔

''کیسا رہا سفر...... دانیہ نے تنگ تو نہیں کیا۔ جھگڑا تو ضرور کیا ہوگا۔ آخر اچانک جو آنا پڑ گیا'' انہوں نے کتاب بند کر دی۔

''فی الحال تو نہیں...... ویسے موڈ خراب ہو گیا تھا اس کا'' اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

''او کے بابا! باقی باتیں بعد میں پوچھ لیجیے گا۔ سر میں درد ہو رہا ہے۔ کچھ ریسٹ کرلوں۔''

''بیٹھ جاؤ آرام سے'' کاملہ بیگم کی دہاڑ نے اسے دوبارہ بٹھا دیا۔ وہ استفہامیہ حیدر شاہ کو دیکھنے لگا جو بیگم کے جلالی تاثرات کو بغور دیکھ رہے تھے۔

''آپ بھی جب سے آئی ہیں، کھڑی ہی ہیں۔ بیٹھ جائیں...... بیٹھ کر بھی بات ہو سکتی ہے۔'' حیدر شاہ کے کہنے پر وہ روٹھی روٹھی سی بیٹھ گئیں۔

''اس سے پوچھیے'' سلال کی جانب انگلی اٹھا کر انہوں نے کہنا شروع کیا

''یہ میری اجازت کے بغیر اس منحوس کی بیٹی کو کیوں لے آیا ہے؟''

''کس کی بیٹی!'' حیدر شاہ معصوم سے بن کر حیران ہوئے۔

''اس نے جرأت کیسے کی اسے لانے کی۔ مجھے تو پہلے ہی شک تھا کہ یہ بار بار اس کی فیور کرتا ہے۔ ضرور اس نے کوئی ڈورے ڈالے ہوں گے اس پر۔ مگر میں بھی کہے دیتی ہوں، میرے جیتے جی یہ ناممکن ہے۔ میں اس لڑکی کا خون پی جاؤں گی۔''

''بخدا، ہمیں آپ کے اس تخریب کارانہ روپ سے قطعی انکار نہیں۔ آپ جب برسوں سے ہمارا خون جلا سکتی ہیں تو پی کیوں نہیں سکتیں......'' کاملہ بیگم کی آنکھیں ضرورت سے زیادہ کھل گئیں۔

''ہاں بھئی...... کیوں لے آئے ہو اس انجان لڑکی کو؟'' بیگم کے جلالی تاثرات میں ذرا بھی کمی نہ آئی تو انہیں بیٹے سے پوچھنا ہی پڑا۔

''بابا، وہ انجان نہیں ہے۔ اماں کے لاڈلے بھائی کی اکلوتی اولاد ہے، ماموں زاد ہے ہماری۔''

''جب بھائی ہی نہیں رہا تو اس کی اولاد کا کیا کروں میں...... جو پتا نہیں س کی ہے بھی یا نہیں؟'' کاملہ بیگم کے کہنے پر سلال ہونٹ بھینچ کر خفگی سے انہیں دیکھنے لگا تھا۔

''فار گاڈ سیک اماں! فار گاڈ سیک! ایسا مت بولیے۔ اتنی روڈ مت ہوں، دل پر ہاتھ رکھ کر کہیں کہ آپ کو اسے دیکھ کر ماموں کا خیال نہیں آتا۔ چھوٹے ماموں کی کاربن کاپی ہے وہ پھر بھی آپ......'' وہ تاسف سے سر ہلانے لگا۔ کاملہ بیگم ہنوز موڈ آف کیے رہیں۔

''اور بابا...... آپ یقین کیجیے، عالیہ خالہ اور چھوٹی خالہ اپنا خون ہوتے ہوئے بھی اس سے جانوروں کا سا سلوک کرتی ہیں۔ میں گیا تو یہ لڑکی بے ہوش ہوئی پڑی تھی۔ کوئی مددگار نہیں تھا۔ کوئی ایسا نہیں تھا جو اس بے چاری کو اپنا سمجھ کر علاج ہی کروا آتا۔ سبھی کے نزدیک یہ ایک روبوٹ ہے۔ ایک مشین ہے۔ جس کا کام سارا دن ساری رات محض خدمت گزاری ہے۔ چاہے کچھ ہو جائے، مشین نے نہیں رکنا لیکن بابا......! مشین بھی خراب ہو سکتی ہے اور اگر خراب ہو جائے تو اسے بھی ری پیئر کرانا پڑتا ہے لیکن روفا کو بیماری سے ٹھیک کرانے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ صرف روفا ہی نہیں...... اگر کوئی اور بھی ہوتی تو بھی میں یہی کہتا...... ہیں تو وہ میری سگی خالائیں لیکن...... اینی وے، میں اسے اسی وجہ سے یہاں لے آیا ہوں کہ وہ کچھ دن سکون سے رہ سکے، آرام کر لے۔ مزید میرے ذہن میں کوئی فضول خیال نہیں تھا۔ حیرت ہے، آپ ماں ہو کر اپنے بیٹے کو الزام دے رہی ہیں۔''

سلال کے شکوے پر وہ کچھ جز بز سی ہوئیں۔

"تم نے ٹھیک کیا سلال بیٹا...... وہ بچی چاہے کچھ دن رہے چاہے ساری زندگی، میرے گھر میں آرام وسکون سے رہے گی۔ تمہاری اماں دوسرے ہی دن اسے گلے سے لگائے احتشام کی باتیں کر رہی ہوں گی، دیکھنا تم......"

"پتا نہیں" سلال نے کندھے اچکائے "ابھی تو میں ان سے سخت ناراض ہوں۔ اتنا لمبا سفر کر کے میں خالہ کے گھر گیا۔ وہاں پانچ چھ گھنٹے اسپتال میں بنا ریسٹ کیے گزارے۔ پھر واپس آیا اور انہوں نے خیریت وغیرہ پوچھنے کے بجائے آتے ہی جھگڑا شروع کر دیا۔ میری تھکن کو مزید بڑھا دیا۔ سر میں پہلے ہلکا سا درد تھا، اب پھٹ رہا ہے۔ ایک بالکل بے ضرر سی لڑکی کو ایشو بنا کر یہ میری تھکن فراموش کر گئیں۔" سلال کہتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

کاملہ بیگم تڑپ سی گئیں۔ میاں کی طرف دیکھا۔ وہ بھی کچھ جتا رہے تھے اور پھر کچھ لمحوں کے بعد وہ سلال کے کمرے میں بیٹھی اس پر پیار وشفقت کی نظریں جمائے نرم ہاتھوں سے سر دبا رہی تھیں۔

روفا سے انہیں چڑ تھی مگر اتنی بھی نہیں تھی کہ اس کی خاطر بیٹے کو ہی بیمار کر ڈالتیں۔

• • •

خالہ کے گھر سے کہیں زیادہ مشقت اسے یہاں رہ کر کرنی پڑی تھی۔ احتشام کی محبت کا سہارا تھا ورنہ وہ تو کب کی ڈھے چکی تھی۔ گھر کے ایک ایک فرد کی جانب سے اسے ایسی ایسی باتیں طعنے اور مغلظات سننی پڑتی تھیں کہ وہ

کتنی ہی دیر تک حواس ہی کھو بیٹھی تھی۔

عائلہ...... اس کے لیے فرعون کا دوسرا روپ ثابت ہوئی تھی۔ احتشام کے سامنے بھی وہ اسے نہیں بخشتی تھی۔ بلکہ احتشام کی موجودگی میں تو اسے زیادہ کچوکے لگائے جانے لگے۔ احتشام ان کے سامنے خاموشی کا لبادہ اوڑھے رکھتے لیکن تنہائی میسر آتے ہی وہ اس کی دلجوئی کرنا نہیں بھولتے تھے۔

زینب کے لیے یہی محبت کے دو بول تا عمر کافی ہوتے اگر گھر والے اس سے اتنے زیادہ کبیدہ خاطر نہ ہوئے تھے۔

دو سال کا عرصہ آس و نراس میں گزر گیا تھا۔ ننھی روفا کی آمد بھی گھر والوں کے دل موم نہیں کر سکی تھی بلکہ وہ اب دیدہ دلیری سے احتشام کے سامنے بھی اسے نیچ ذات، کنجری، غلیظ خون وغیرہ ثابت کرنے پر تلے رہتے۔

اس روز طوفان تھم گیا۔ مگر بہت بڑی تباہی مچا کے۔

گھر کے سب مرد آفس گئے ہوئے تھے ماسوائے اعتصام کے۔ جو ناسازی طبع کی وجہ سے گھر میں تھے۔ زینب تقریباً روزانہ ہی مشین لگایا کرتی تھی۔ بھرا پُرا گھر تھا۔ مردوں کے روز کے کپڑوں کے علاوہ عائلہ روزانہ ہی گھر کے کونے کھدروں سے بھی کپڑے نکال کر اسے دھونے کے لیے دیا کرتی تھی۔ روفا کی طبیعت بھی خراب ہو رہی تھی۔ وہ مشین بنی کبھی کچن میں جا رہی تھی تو کبھی اپنے کمرے میں...... یونہی دوڑتے بھاگتے پانچ بج گئے۔ احتشام کی آمد ہوئی تو وہ قدرے مطمئن ہوئی۔ روفا کو وہ سنبھال لیتے تو زینب کے باقی کام آرام سے ہو جایا کرتے تھے لیکن اس دن احتشام کچھ بجھے بجھے مضمحل تھے۔

زینب کے پاس اتنا ٹائم نہیں تھا کہ وہ ان کی اداسی کی وجہ معلوم کرتی۔

کچن کا کام تقریباً مکمل تھا۔ رات کے لیے ویسے بھی بھاری کھانوں سے پرہیز کیا جاتا تھا۔ سوبے جی نے اسے اس ٹائم مشین لگانے کا آرڈر تھا۔

وہ ''جی اچھا'' کہتی گھر کے ہر کمرے سے میلے کپڑے اکٹھے کرنے لگی۔ اعتصام بھائی کے کپڑوں کے لیے روحی بھابی کو تلاشا مگر وہ کہیں نظر نہیں آئیں۔

''اپنے کمرے میں ہوں گی'' سوچتے ہوئے وہ ان کے کمرے کی طرف آ گئی۔ ہلکے سے دستک دی۔

''آ جاؤ'' اعتصام بھائی کی آواز گونجی تھی۔ وہ سر پر دوپٹا جما کر اندر آ گئی۔

''میلے کپڑے اٹھانے ہیں اعتصام بھائی!'' اس نے نظریں نیچی کیے آنے کا مقصد بتایا۔ مگر اعتصام نے کنڈی چڑھا دی تھی۔

''یہ...... یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟'' وہ ہراساں ہو گئی۔

''چپ کر جاؤ، زیادہ بکواس نہیں کرنی۔ میری معصوم بہن کی خوشیاں اجاڑنے والی، میں تمہیں ایسا سبق سکھاؤں گا کہ مرتے دم تک یاد کرو گی'' وہ غرا کر اس کے پاس آ کھڑے ہوئے تھے۔ زینب کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ انہوں نے اسے کندھوں سے پکڑنا چاہا مگر وہ دروازے سے جا لگی۔

''تم گندی نالی کی پروردہ، ہمارے شریف خاندان میں رہنے کے قابل کہاں...... تمہارے ساتھ وہ سلوک ہونا چاہیے کہ آئندہ کبھی کوئی لڑکی کسی شریف لڑکے کو پھانسنے سے پہلے ہی ختم ہو جائے'' شریف خاندان کا پروردہ مرد اس وقت اپنے بھائی کی عزت کا غاصب بننے والا تھا اور گندی نالی کی پروردہ اسے یہ بتانے کے قابل بھی نہیں رہی تھی کہ اس شریف اور اونچی عزت کے خاندان کے مرد نے

پہلے اسے پھانسا...... پھر عزت کے نام پر زندان میں لا رکھا اور اب دوسرا مرد اس پر دست درازی کر کے نہ جانے کون سی شرافت کا علمبردار بنا تقریریں جھاڑ رہا تھا۔ بالکل غیر متوقع سچویشن تھی۔ اعتصام کے اس جرأت مندانہ شیطانی اقدام نے اس کی حسیات ہی سلب کر ڈالی تھیں۔

وہ وحشت سے آنکھیں پھاڑے ''شریف مرد'' کی شرافت و غیرت دیکھتی رہی پھر اچانک ہی آنکھوں کے سامنے روفا اور احتشام کی شکلیں ابھریں تو وہ یکا یک ہوش میں آ گئی۔ اعتصام کے شکنجے سے نکلنے کے لیے وہ اپنی پوری قوت آزمائی کرنے لگی۔

اسی دوران اعتصام کی شرٹ بازو سے ذرا پیچھے سے پھٹ گئی اور اس کے ساتھ باہر سے دروازہ دھڑ دھڑایا گیا اور جھٹکے سے چٹخنی گر گئی جو پہلے ہی صرف اٹکی ہوئی تھی۔ اعتصام کی حالت ایسی تھی جیسے وہ زینب کے شکنجے میں پھنسے ہوئے تھے۔

روحی بھابی نے آگے بڑھ کر زینب کے منہ پر لگاتار تھپڑ مارنا شروع کر دیا۔

''کمینی، تیری یہ جرأت۔ میرے کمرے میں میرے ہی شوہر پر ڈاکا ڈال رہی تھی۔ تیرے دیدوں کا پانی ڈھل گیا تھا کیا۔ ایک سے تیرا جی نہیں بھرتا جو اوروں کے مرد تاڑتی پھر رہی ہے۔ خدا تجھے جہنم رسید کرے۔ آگ میں ڈالے، کیڑے پڑیں تیرے بدن پر۔ میرے شوہر کی طرف دیکھنے سے پہلے تیری آنکھیں کیوں نہ پھوٹ گئیں۔ ارے اس گھر پر اتنی بڑی قیامتیں نازل کر کے بھی تجھے سکون نہیں ملا۔ ہائے میرے اللہ، کیسی بدقماش عورت آ گئی یہاں!'' روحی بھابی کا

واویلا سن کر گھر بھر اکٹھا ہو گیا۔ اعتصام خود پر مصنوعی سکتہ طاری کیے بے یقینی کی کیفیت میں کھڑے تھے۔

''میں اپنے کمرے میں ریسٹ کرنے کے خیال سے آیا تو پیچھے سے یہ بھی آ گئی اور...... اور آتے ہی کمرے کی چٹخنی لگا دی اور مجھ سے ایسے کام کی توقع کرنے لگی کہ جسے سن کر ہی میں ساکت ہو گیا۔ میرے انکار پر یہ......'' غیر مرئی نقطے پر نظریں مرکوز کیے اعصام کی آواز مدھم ہوتے ہوئے بالکل خاموش ہو گئی۔ ان کی آنکھوں سے پانی کی جھیلیں جھانک رہی تھیں۔ لب کپکپا رہے تھے۔ ہاتھ لرز رہے تھے۔

''میں نے انکار کیا...... بہت انکار...... سختی سے...... سمجھا کر...... بہت غصے سے...... لیکن...... لیکن'' سرسراتی ہوئی آواز ولگو گیر ہو گئی۔ آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے، سب مٹی کے بت بنے کھڑے تھے۔ ''یہ خود میری جانب بڑھنے لگی اور...... اور...... میں نہیں بتا سکتا...... میں نہیں بتا سکتا'' اعتصام ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگے۔

زینب کی آنکھیں خشک تھیں۔ وہ ایک ٹک احتشام کو دیکھ رہی تھی۔ جس کا چہرہ اندرونی توڑ پھوڑ کا غماز بنا ہوا تھا۔ ابا جان مٹھیاں بھینچے، سرخ آنکھیں گاڑے زینب کو نگلنے کے چکر میں تھے۔

''احتشام! میرے بھائی...... مجھے غلط مت سمجھنا...... یہ لڑکی واقعی کسی گھٹیا خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ تمہاری شادی کے بعد سے اس کی نام نہاد خالہ کا میرے ساتھ رابطہ ہے۔ وہ مجھے اس کے نام پر بلیک میل کرتی آ رہی ہے۔ کیونکہ اس نے ایک سونے کی چڑیا کھو دی ہے۔ یہ نیک بی بی بنی ہارون...... ستارہ اور

تمہاری آنکھوں میں دھول جھونکتی رہی۔ در پردہ اس کا دھندا بھی کوٹھے والیوں جیسا ہی تھا۔ اس کی موویز اور تصویریں خود میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں لیکن میں تمہیں بتا کر تمہارا سکون و اطمینان ختم نہیں کرنا چاہتا تھا سو اپنے ہی طور پر اس کی خالہ کو ہر ماہ لمبی رقم دے کر چپ کراتا آیا۔ لیکن آج...... آج اس کمینی ذہنیت، گھٹیا فطرت لڑکی نے میرا سکون ملیامیٹ کر دیا۔ بہت مجبور ہو کر اس کی اصلیت تمہارے گوش گزار کر رہا ہوں۔ ورنہ شاید تاحیات نہ بتاتا اور اس کے پرانے دھندے کے بارے میں...... میں نے بے جی کو بھی بتایا تھا لیکن تم دیکھ لو کہ بے جی کتنی اعلیٰ ظرف ہیں۔ محض تمہاری خاطر وہ اس کا ناپاک وجود برداشت کرتی رہیں، صرف تمہاری خاطر......''

زینب کا رواں رواں چلا رہا تھا کہ یہ جھوٹ ہے، یہ بہتان ہے۔ میں ایسی نہیں ہوں...... لیکن اس کی زبان گنگ تھی۔ وہ پتھر کی مورت بنی شیطان کو انسان کے روپ میں اپنے سامنے دیکھ رہی تھی۔ کیا نفرت اتنی شدید بھی ہو سکتی ہے کہ انسان شیطان کا روپ دھار کر کسی اپنے کو گزند پہنچا بیٹھے۔ شاید واقعی......!

عائلہ اسے بالوں سے گھسیٹتی باہر برآمدے میں لے آئی اور اندھا دھند پیٹنے لگی۔ بے جی سینہ کوبی کر رہی تھیں۔ روحی بھابی بھل بھل روئے جا رہی تھیں۔ جبکہ بوا کچن کے دروازے پر بے بسی کی تصویر بنی استادہ تھیں۔

''شام...... شام......'' اچانک ہی ابا جان سینے پر ہاتھ رکھے دہرے ہو گئے۔ احتشام، اعتصام ان کی طرف بھاگے۔ تکلیف کی شدت سے ان کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔

''یہ...... یہ لڑکی نہ رہے یہاں...... عائلہ کا گھر اجاڑا...... اسے چھوڑ

دینا...... اسے چھوڑ دینا...... یہ نہ رہے...... میری عائلہ......'' انہوں نے جو کچھ کہا سب کے ساتھ زینب کی سماعتوں نے بھی سنا۔ وہ پوری جان سے لرز اٹھی تھی۔

احتشام ابا جان کو فوراً اسپتال لے گئے لیکن ہونی کو کون روک سکتا ہے۔

رات بارہ بجے کے قریب اسپتال سے ان کی لاش لائی گئی۔

ہارٹ اٹیک اتنا شدید تھا کہ وہ جانبر نہ ہو سکے۔ پھر ان کی تجہیز و تکفین کے دوران سب وقتی طور پر زینب سے لاتعلق سے ہو گئے لیکن اپنے لگے سیاہ داغ اور ابا جان کے آخری الفاظ...... اور احتشام کی آنکھوں سے جھانکتی بدگمانی کی ہلکی سی تہ زینب کے دماغ سے چمٹ گئی تھی۔

●●●

''میں نے کچھ نہیں کیا...... میں نے کچھ نہیں کیا...... خدا گواہ ہے میں بے قصور ہوں۔ میں ویسی نہیں، میں ویسی نہیں۔''

''تو کیا تم اعتصام پر الزام لگا رہی ہو۔ تم انہیں جھوٹا ثابت کر رہی ہو۔ خود کو سچا دکھا رہی ہو۔'' عالیہ بیگم نے دہاڑ کر کہا۔ احتشام اضطراری کیفیت چھپانے میں ناکام ہوئے جا رہے تھے۔ زینب کے بہتے آنسو کچھ اور داستان سنا رہے تھے اور ایک ہفتے سے بخار میں پھنکتے اعتصام کچھ اور...... اس وقت گھر کے سارے افراد بڑے کمرے میں بیٹھے تھے۔ زینب سر جھکائے گویا فیصلے کی منتظر تھی۔

''شام...... تمہیں اپنے ابا جان کے آخری جملے یاد ہیں ناں...... انہوں نے جو کہا تھا تمہیں ہر صورت ماننا پڑے گا۔ یہ لڑکی اب کسی بھی صورت یہاں نہیں رہے گی۔'' بے جی کی بارعب آواز نے احتشام کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

''میں اپنی روفا کی قسم کھا کر کہتی ہوں، میں نے کچھ نہیں کیا...... میں......''

''یہ اگر اپنی بیٹی کی قسم کھانے کے لیے تیار ہے تو میں بھی پاک کتاب پر ہاتھ رکھ کر کہوں گا کہ میں سچا ہوں اور یہ جھوٹی۔ لے آؤ روحی قرآن پاک...... اور احتشام تم یہ کاغذ پکڑو...... سائن کر کے اس کے منہ پر مارو'' اعتصام نقاہت زدہ آواز میں بولے۔ زینب کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔

''کیا یہ واقعی قرآن پاک پر ہاتھ رکھ دیں گے؟ کیا یہ جھوٹ......'' وہ عجیب سی نظروں سے اعتصام کو دیکھنے لگی، جو اطمینان سے لیٹے ہوئے تھے۔ روحی بھابی قرآن پاک سینے سے لگائے آئیں۔

''نہیں نہیں، اعتصام بھائی...... پلیز نہیں'' روحی بھابی شوہر کے پاس جا رہی تھیں کہ زینب چلا اٹھی ''ایسی باتوں میں پاک کتاب کو مت لائیں۔ مت کیجئے یہ بے حرمتی مت کیجئے'' اس کی آواز پھنس سی گئی۔

''ارے، کیسی بے حرمتی...... جب یہ جھوٹ نہیں بول رہے تو کیوں گھبرائیں۔ تم اتنی ہی پاک دامن ہو تو رکھو قرآن پاک پر ہاتھ......'' روحی بھابی کے چمک کر کہنے پر وہ چپ رہ گئی۔ احتشام کی آنکھوں میں بدگمانی کی تحریر واضح پڑھی جا سکتی تھی۔ وہ دوڑ کر ان کے قدموں سے لپٹ گئی۔

''احتشام...... مجھے طلاق مت دیجئے...... مجھے اپنے سے دور مت کریں۔ میں مر جاؤں گی، میری بیٹی مر جائے گی۔ کہیں کی نہیں رہے گی۔ میں قسم کھا کر کہتی ہوں میں اس گھر کی نوکرانی بن کر سب کی خدمت کروں گی۔ آپ بے شک اور شادی کر آئیں۔ میں اُف تک نہیں کروں گی لیکن...... مجھے مت نکالیے۔

میرا نام اپنے نام کے ساتھ جڑا رہنے دیں۔ اللہ کے واسطے، رسولؐ کے واسطے'' اس کا انداز ہارا ہوا تھا، تھکا سا لہجہ۔ احتشام کو یقین دلایا گیا کہ وہ کس قماش کی عورت ہے اور یہ کہ اس نے ان کے بھائی کے ساتھ فضول حرکتیں کی تھیں۔ ٹھوکر مار کر انہوں نے اسے دور پھینکا تھا۔

''تم نے میرے اعتبار کو توڑا ہے زینب! مجھے توڑا ہے، میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا، کبھی نہیں'' کیسی نفرت، بیزاری اور حقارت چھپی ہوئی تھی ان کی آنکھوں میں۔

''میں نے تمہیں......''

''نہیں......نہیں......نہیں'' احتشام کے آگے کچھ بولنے سے قبل ہی زینب کانوں پر ہاتھ رکھے پاگلوں کی طرح چیخی تھی۔ ''کون سچا ہے، کون جھوٹا...... یہ وقت بتائے گا ملک احتشام۔ تم مجھے کبھی معاف نہیں کرو گے، نہ کرنا...... مگر میں نے تمہیں معاف کیا'' اس کے حلق سے عجیب قسم کی آواز نکل رہی تھی۔ پھر اپنے سامنے کھڑی روحی بھابی کو دور ہٹاتی وہ کچن کی طرف بھاگی تھی۔ اندر سے کنڈی لگا کر اس نے چھری سے اپنی کلائی کی رگ کاٹ لی۔

کسی کو کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ احتشام اپنی جگہ سے ہلنے سے قاصر تھے۔ زینب کے الفاظ ان کے دماغ پر ہتھوڑے برسا رہے تھے۔ اندر کہیں سے ''وہ سچی ہے، وہ سچی ہے'' کا شور بلند ہو رہا تھا۔ مگر وہ قدم نہیں اٹھا پا رہے تھے۔ باقی سب بھی اطمینان سے کچن کے بند دروازے کو تک رہے تھے۔ ایک بوا تھیں جو ہانپ ہانپ کر دروازہ بجائے جا رہی تھیں۔

اس روز زردوں کی آندھی چلی تھی۔ لال سرخ آندھی نے عائلہ کو بھی ڈرا

دیا تھا۔ زینب کی تدفین کے بعد سے احتشام کو چپ لگ گئی۔ وہ خالی خالی آنکھوں سے اپنے بڑے بھائی کا مطمئن چہرہ دیکھتے رہے۔ اس کے بعد وہ جیسے ہر شے سے بیزار ہو گئے۔ پراسرار طریقے سے مسکراتی ہوئی بے جان زینب نے ان کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ انہیں لگتا تھا زینب کی روح ان کے ساتھ ساتھ ہے۔ ان کی بے وفائی پر طنزیہ مسکراہٹ اچھالتی۔

چھ ماہ کے اندر اندر ''ملک احتشام'' بھی زینب کے دیس سدھار گئے۔

بے جی ڈاکٹرز کی غلط تشخیص کی وجہ سے ان کا یرقان کا علاج کرواتی رہیں مگر کراچی سے چیک اپ کروانے کے بعد پتا چلا کہ وہ جگر کے کینسر میں مبتلا تھے۔ تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ علاج کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ امید ہی ختم ہو گئی تھی۔ بے جی کی گود میں سر رکھے رکھے انہوں نے آنکھیں موند لی تھیں۔ پھر زندگی پچھتاوؤں کی زد میں آ گئی۔ اعتصام اور بے جی کو زینب اور احتشام راتوں کو آ آ کر جگانے لگے۔ اعتصام دنوں میں گھل کر رہ گئے۔

پچھتاوے کے ناگ انہیں ہمہ وقت ڈسنے لگے۔ روحی بھابی کے بے حد اصرار پر وہ یہ ملک ہی چھوڑ گئے۔ بے جی نے بھی اوپر جانے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

روفا لق و دق صحرا میں ننگے پاؤں چلنے کے لیے اکیلی رہ گئی۔



کاملہ بیگم اگر مہربان نہیں ہوئی تھیں تو غصہ بھی نہیں کرتی تھیں۔ بنا کلام کیے وہ روفا کا غیر محسوس طریقے سے خیال رکھنے لگی تھیں۔

دانیہ کی اچانک ہونے والی شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں اور اس حساب سے اس کی بڑبڑاہٹیں تھی ’’ایسی کیا آفت آپڑی تھی جو تم نے شادی، شادی کی رٹ لگا دی، کون سا میں بھاگی جا رہی تھی‘‘ فون پر اس نے بنا لحاظ کیے فرہاد سے کہا۔ جواباً اس کا شاندار سا قہقہہ اسے مزید سلگا گیا تھا۔

’’یونیورسٹی کے قصے بڑے مشہور ہیں۔ شادی شدہ بے وفا ہو جاتی ہیں۔ تم تو پھر منگنی شدہ تھیں۔ کیا خبر کب دغا دے جاتیں۔‘‘

’’تم آؤ تو سہی پاکستان میں نے تمہیں گنجا نہ کیا تو پھر کہنا‘‘ دانت پیس کر وہ بولی۔

’’شادی سے پہلے نہ کرنا، ورنہ تمہاری ہی انسلٹ ہوگی۔ سہیلیاں کہیں گی، دیکھو دانیہ کا شوہر گنجا ہے، بے چاری!‘‘ وہ جانے کیا کیا کہتا، اس نے بھنا کر فون ہی رکھ دیا۔

اس دن بھی کاملہ بیگم دانیہ کے ہمراہ شاپنگ کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ روفا سر درد کی وجہ سے دانیہ کا اصرار رد کر کے گھر پر ٹھہر گئی۔ شرافت اپنے کوارٹر میں تھا۔ وہ بلاول، سجاول کے لیے پاستا بنانے کی غرض سے کچن میں آ گئی۔ دوپٹا اتار کر دروازے پر لٹکا لیا۔

’’کافی ملے گی؟‘‘ اچانک ہی سلال کی آواز آئی۔ اس نے گھبرا کر دوپٹا جھپٹا تھا۔ اچھی خاصی شرمندگی ہو رہی تھی۔ کیسے باپ کا کچن سمجھ کر وہ گنگنانے میں مگن تھی۔

’’جی...... میں ابھی بناتی ہوں‘‘ انگلیاں مروڑتے ہوئے اس نے کہا۔ شکل اچھی خاصی ہونق ہو رہی تھی۔ سلال سے بات کرتے ہوئے وہ کچھ زیادہ ہی

گھبراہٹ کا شکار ہو جاتی تھی۔ اس کی انگلیوں پر نظریں ڈال کر سلال واپس مڑ گیا۔

کافی بنا کر وہ بلاول کے پاس آئی۔

’’سلال بھائی کے کمرے میں کافی پہنچا دو۔‘‘

’’کیوں...... آپ کو منع ہے ان کے کمرے میں جانا‘‘ اس کی التجا نظر انداز کر کے وہ بولا۔

’’یا پھر آپ کے پیروں میں مہندی لگی ہے؟‘‘ سجاول نے کمپیوٹر اسکرین پر سے نظریں ہٹا کر باقاعدہ اس کے پیروں کو دیکھا۔ وہ منہ بنا کر کھڑی رہی۔

’’چلی جائیں...... سلال بھائی اب اتنے بھی خونخوار نہیں ہیں۔‘‘

’’تم دے آؤ گے کیا گھس جاؤ گے؟‘‘ وہ جل کر رہ گئی۔

’’کیا خبر...... ہم نہ گھسیں وہ گھسا دیں...... ویسے بھی ہمیں دیکھ کر ان کی رگ نصیحت پھڑک جاتی ہے۔ چلے گئے تو گھنٹا بھر ان کا لیکچر نوش جاں کرنا پڑے گا۔ بہتر ہے......‘‘

’’میں خود ہی چلی جاتی ہوں‘‘ پیر پٹختی وہ کچن میں آ گئی۔ بھاپ اڑاتی کافی کا مگ اٹھائے وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ دل خواہ مخواہ ہی دھڑ دھڑ کر رہا تھا۔

’’یس‘‘ سلال کی بھاری آواز گونجی۔ وہ دروازے میں سے سر نکال کر دیکھنے لگی۔ سلال یونیفارم تبدیل کیے بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔

’’مم...... میں آ جاؤں؟‘‘ سلال نے حیرت سے دروازے میں اگے اس سر کو دیکھا اور سیدھا ہو بیٹھا۔

’’کیوں نہیں، پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟‘‘ وہ مسکرا کر بولا۔ روفا آہستگی

سے نرم قالین پر قدم دھرتی آگے بڑھنے لگی مگ اسے تھما کر واپس جانا چاہا۔

"بیٹھو روفا......!" سلال کی آواز پر جھٹکے سے پیچھے مڑی۔

"وہ......مم......مجھے......کچن" ہکلاہٹ پتا نہیں کیوں ہونے لگی تھی۔

"بیٹھ جاؤ......کچن میں اس وقت کوئی کام نہیں ہوتا اور میں تمہیں کھا نہیں جاؤں گا۔" انداز بارعب تھا مگر آنکھوں سے شرارت ہویدا تھی۔ وہ جھٹ فلور کشن پر بیٹھ گئی۔ اور خواہ مخواہ ہی انگلیاں مروڑنے لگی۔ سلال کافی کا مگ ہونٹوں سے لگائے اس کی لمبی انگلیوں کی حرکت دیکھنے لگا۔

"یہ......" گھونٹ بھر کے سلال نے اس کے ہاتھوں کی طرف اشارہ کر کے کہا "تمہاری عادت ہے یا انگلیوں کو خوبصورت بنانے کے لیے کوئی خاص ورزش؟"

"جی......جی نہیں......جی ہاں" گھبرا کر اس نے دونوں ہاتھ گود میں رکھ لیے۔ سلال کو ہنسی آنے لگی۔ روفا کے انداز میں بچوں کی سی معصومیت تھی۔

"کیسی گزر رہی ہے میرے گھر میں؟"

"اچھی!" اس نے جتنا ممکن ہوا مختصر ترین جواب دیا۔ سلال بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"کسی سے کوئی شکوہ، کوئی گلہ؟"

"نہیں۔" سر جھکائے اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

"طبیعت ٹھیک ہے......بخار اتر گیا؟"

"جی!" وہ یوں جواب دے رہی تھی جیسے کسی امتحان میں بیٹھی ہو۔

"تم نے شادی کی شاپنگ کی؟" اچانک ہی سلال نے پوچھا۔ وہ اب

جواب دینے کے بجائے محض سر ہلا کر رہ گئی۔

"کیوں بھئی، تمہاری فرینڈ کی شادی ہے۔ تم اس کی بہن کی طرح ہو۔ تمہیں تو آگے آگے ہونا چاہیے۔ اچھا......دو ایک دن تک میں کوشش کروں گا تمہیں خود لے جاؤں اپنی پسند کی شاپنگ کرنا، او کے......!"

"اب میں جاؤں؟" وہ رسے تڑوانے کو بے چین تھی۔ سلال سنجیدگی سے اسے گھورنے لگا۔

"کچن میں جانا ہے؟"

"نہیں......ہاں" وہ پھر انگلیاں مروڑنے لگی۔

"او کے جاؤ......ویسے یہ انگلیاں مروڑنا چھوڑ دو......کسی دن کوئی ایک ٹوٹ گئی تو بڑا نقصان ہو جائے گا" سلال کا سنجیدہ سا مشورہ سنا اور فوراً باہر نکل گئی۔ پیچھے سے سلال خواہ مخواہ ہی مسکراتا رہا۔

"کہاں گم ہو گئی تھیں......بھائی نے آپ کو بھی نصیحت نامہ گھول کر پلایا ہے یا کوئی ڈانٹ وانٹ پڑی ہے؟" دونوں شیطان کے چیلے پہلے سے ہی کچن میں براجمان تھے۔ وہ نظریں چرائے، بنا جواب دیے پاستا بنانے لگی۔ "کتنی پیاری مسکراہٹ ہے سلال بھائی کی" دل میں سوچا تھا۔



کھلی کھلی سی سنہری دمکتی ہوئی رنگت......چہرے پر معصوم سی مسکراہٹ اور دراز سراپا پر بہاریں دکھاتا اسٹائلش سا ریڈ سوٹ۔ عالیہ بیگم، عاملہ، سمیلہ اور حسنہ کو اپنی آنکھوں پر شبہ سا ہونے لگا کہ شاید یہ روفا نہیں کوئی اور ہے۔ مگر وہ روفا ہی تھی۔

ان کے گھر میں پلنے بڑھنے والی دبو اور مسکین سی روفا، جو پوری کی پوری بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔

سجاول اور بلاول کی شرارتوں پر دل کھول کر ہنستے ہوئے۔ مختلف کاموں کے لیے یہاں سے وہاں آنچل لہراتے ہوئے، یہی نہیں، مایوں والے روز اس کی میچنگ سینڈل نہیں تھی۔ محض اس کی میچنگ سینڈل لینے کے لیے بے تحاشا مصروفیت میں پھنسے سلال نے ہر کام پس پشت ڈال کر اسے میچنگ سینڈل دلا کر عالیہ بیگم اینڈ فیملی کی آنکھوں میں گویا مرچیں سی بھر دی تھیں۔

”سلال اور روفا...... روفا اور سلال“ اس روز سارے فنکشن کے دوران میں دونوں کا جب جب سامنا ہوا۔ سمیلہ تو جان سے جلی ہی، عالیہ بیگم اور عائلہ بھی آندھیوں کی زد میں آگئیں اور آج وہ کیسی تتلی بنی اڑتی پھر رہی تھی۔ دونوں بہنوں نے شدت سے نوٹ کیا کہ کاملہ نے شادی کے تقریباً بھاری کام اس کے سپرد کر رکھے تھے۔ یہی نہیں چھوٹی دونوں بہنوں کے برعکس ان کا روفا کے ساتھ نہ تو انداز کٹیلا تھا اور نہ ہی لہجہ کرخت تھا۔ بہت نارمل طریقے سے وہ روفا سے بات کر رہی تھیں۔ اور جلتی پر تیل کا کام تو بلاول نے کیا تھا۔ روفا جب تیار ہو کر شرمائی گھبرائی سی سب کے سامنے آئی تو بلاول نے کہا۔

”واہ...... آپ روفا ہی ہیں ناں...... زبردست...... بھائی دیکھیے تو ذرا روفا کتنی پیاری لگ رہی ہیں“ باقی سب کو چھوڑ کر بلاول نے صرف سلال سے کہا تھا اور اس گھڑی جو چمک، جو ستائش سلال کی آنکھوں میں ابھری تھی۔ وہ کسی اور کو نظر آئی تھی یا نہیں، سمیلہ اور حسنہ کی آنکھوں میں کھب گئی تھی۔ بیر بہوٹی بنی روفا ان سے دیکھنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ سلال تو بغیر جواب دیے چلا گیا تھا۔ البتہ روفا سارا

وقت اپنی پھوپیوں کی مرکز نگاہ بنی رہی۔ عائلہ بڑی بہن سے کبیدہ خاطر ہو گئیں۔

وہ خوش تھیں کہ کاملہ بیگم روفا کو کاموں میں رگڑ رہی ہوں گی مگر یہاں تو رگڑی ہوئی روفا کہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھی اور روفا کو دیکھ کر فریز تو ملک اعتصام ہو گئے۔ احتشام کی جیتی جاگتی تصویر تھی وہ۔ بھائی کی زندگی میں زہر گھول کر وہ ایک پل بھی سکون کا نہیں گزار پائے تھے۔

اللہ نے اپنی ناراضی یوں دکھائی کہ فرہاد کے بعد ان کے گھر میں اور کوئی ”خوشی“ نہیں بھیجی۔ دولت و ثروت کا انبار ہونے کے باوجود وہ تہی داماں رہے۔ فالج کا اٹیک بھی ہو چکا تھا۔ بلڈ پریشر کے وہ مریض تھے اور شادی سے کچھ ماہ قبل انہیں ہارٹ اٹیک بھی ہو چکا تھا۔ نہ جانے کیا سوچ کر انہوں نے روفا کے سر پر دست شفقت رکھ دیا تھا۔ وہ آنکھوں میں اشتیاق کا جہان سمیٹے اپنے سامنے کندھے جھکائے کھڑے کمزور سے شخص کو دیکھتی رہی۔ جن کا چہرہ اسے باپ کے جیسا محسوس ہو رہا تھا۔

دانیہ کی رخصتی خیر و عافیت سے ہو گئی تھی۔ دانیہ صاحبہ خوب دھاڑیں مار کر روئیں۔ آخر فرہاد نے آگے بڑھ کر جب اسے بازوؤں میں اٹھا لیا تو وہ مارے شرم اور غصے کے چپ ہوئی۔ فرہاد نے اٹھا کر سجی سجائی گاڑی میں بٹھا دیا تھا۔

مگر واپسی ہوئی تو سبھی پر آزردگی چھا گئی۔ ایک فرد کے چلے جانے سے سارا گھر ویران، اداس اور خاموش لگ رہا تھا۔ بلاول اور سجاول کچن میں گلے لگے رو رہے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کو چپ کرانے کی کوشش میں اور زیادہ رو رہے تھے۔ روفا بھی سرخ آنکھیں پونچھتی پھر رہی تھی۔ عائلہ، عالیہ بیگم اپنی آپا کو دلاسا دینے میں لگی ہوئی تھیں۔

"روفا پلیز! میرے کمرے میں ایک کپ چائے کا بھجوا دو" تھکے تھکے سے سلال نے کہا تو وہ کپڑے بدلنے کا ارادہ ٹال کر کچن میں آ گئی۔ بلاول اور سجاول اسے دیکھ کر سوں......سوں کرتے فریج اور کیبنٹ میں گھسنے کی کوشش کرنے لگے۔

"جاؤ، اب سو جاؤ، چائے پینی ہے تو بنا دوں؟" اس نے پیار سے دونوں کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔ بلاول آنسو پونچھتا سیدھا ہوا۔

"نہیں، بس ہم سونے جا رہے ہیں" بھاری آواز میں سجاول نے کہا اور آگے پیچھے باہر نکل گئے۔ وہ چائے بنانے لگی۔

جب وہ چائے کا کپ اٹھائے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی تب کاریڈور سے گزرتی عائلہ کی نظر اس پر پڑی۔ دبے پاؤں وہ اس کے پیچھے ہو لی تھیں۔

دستک دے کر وہ اندر آئی تو سلال راکنگ چیئر پر بیٹھا اپنی انگلیوں سے ماتھا سہلا رہا تھا۔ اس نے کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ سلال نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

"سلال بھائی، آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" اسے تشویش سی ہوئی۔

"بالکل ٹھیک ہے، بس سر میں درد ہے" اس کی آواز قدرے بھاری ہو رہی تھی۔ روفا کا بے اختیار دل چاہا اس کا سر دبانے کو لیکن......!

"میری ٹیبل کی دراز میں پین کلر رکھی ہے۔ پلیز، وہ مجھے نکال دو" وہ پھرتی سے آگے بڑھی ور دراز میں سے پین کلر نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھی۔

"روفا......تمہیں تو ٹمپریچر ہو رہا ہے" اس کا ہاتھ ذرا سا سلال کے ہاتھ

سے ٹچ ہوا تھا۔ سلال کو اس کا ہاتھ گرم محسوس ہوا۔ اس نے کلائی پکڑ کر بخار جانچا تھا۔

"نہیں سلال بھائی! میرے ہاتھ گرم ہی رہتے ہیں۔ سب یہی سمجھتے ہیں کہ مجھے بخار ہے۔" اس نے مسکرا کر وضاحت کی۔ دفعتاً دروازہ دھاڑ سے کھلا تھا۔

عالیہ بیگم، عائلہ......سمیلہ اور سب سے آگے کاملہ بیگم عجیب تاثرات لیے روفا کو دیکھ رہے تھے۔ روفا کی کلائی سلال کے ہاتھ میں تھی اور کمرے میں آتے ہی اس کے چہرے پر پھیلی دلآویز مسکراہٹ سبھی کو نظر آئی تھی۔

"مجھے تم سے یہ امید نہ تھی" سرد سی آواز میں کاملہ بیگم نے کہا۔ سلال نے اس کی کلائی چھوڑ دی اور بیشتر اس کے کہ وہ کچھ کہتا۔ عائلہ نے آگے بڑھ کر روفا کا بازو دبوچا اور اسے گھسیٹتے ہوئے نیچے لے آئیں۔

سارا گھر مہمانوں سے بھرا پڑا تھا۔ عائلہ نے چیخ چیخ کر سب کے کانوں تک روفا کی دیدہ دلیری کا قصہ پہنچایا۔ خوب نمک مرچ لگائی کہ کیسے روفا آدھی رات کو سلال کے کمرے میں اٹھکیلیاں کر رہی تھی۔ سنی سنائی باتوں پر یقین کرنا آج کل تقریباً لوگوں کا شیوا بن چکا ہے۔ روفا کی خاموشی، کاملہ بیگم کا غصہ......لوگوں کو یقین دلانے کے لیے کافی تھا کہ روفا ان کے بیٹے پر ڈورے ڈال رہی تھی۔

اتنے سال گزر جانے کے باوجود زینب کی بے حیائی کا قصہ لوگوں، رشتے داروں کے ذہنوں میں تازہ تھا۔ اب وہی حرکت "زینب کی بیٹی" نے سرانجام دی تو لوگوں کی زبانیں لمبی ہو گئیں۔

یقین نہ کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لڑکی کی اپنی سگی پھوپھو خوب مرچ مسالا لگا کر بڑھا چڑھا کر قصہ بیان کر رہی تھیں، یہ کیا کم تھا۔

سیڑھیوں پر کھڑا سلال اور دیوار کے ساتھ لگی ''روفا ملک'' بھونچکا سے کھڑے تھے۔ بات کیا تھی کیا ہوگئی تھی۔ روفا کی رنگت پیلی سرسوں سی ہوگئی۔ وہ بے یقینی سے اپنی عزت کی دھجیاں بکھیرتے خونی رشتوں کو دیکھتی رہی۔ کیا نفرت اتنی زورآور ہوتی ہے؟ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

کاملہ بیگم کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ روزانہ رات کو سونے سے قبل انتہائی نرمی سے ان کے پاؤں دبانے والی، گھر کے چھوٹے بڑے کاموں میں دلچسپی دکھانے والی...... جو آہستہ آہستہ ان کے دل سے بدگمانی کی تہ ہٹاتی جا رہی تھی، ان کے عزیز از جان بیٹے کے کمرے میں آتی جاتی رہتی ہے۔

''اسے واپس اپنے ساتھ لے جانا، عائلہ بول بول کر تھک گئیں۔ عزیز رشتے دار خواتین چہ میگوئیاں کرتی کمرے میں گھس گئیں تو کاملہ بیگم نے انتہائی سرد آواز میں عالیہ بیگم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ عالیہ بیگم، عائلہ، سمیلہ اور حسنہ فاتحانہ تیر برساتی اپنے اپنے کمروں میں گھس گئیں۔ وہ بدنصیب گھٹنوں میں منہ دیے اپنے ہونے پر اللہ سے شکوہ کرتی رہی۔ سلال نیچے جا کر اسے دلاسا دینا چاہتا تھا لیکن کچھ سوچ کر نہ جا سکا۔ مصلحت کا تقاضا فی الحال ہمدردی، خدا ترسی کو پس پشت ڈال دیا جائے۔ وہ پرسوچ نگاہیں روفا پر ڈالتا پیچھے مڑ گیا۔



''ارے غضب خدا کا، میری ناک کے نیچے یہ کھیل کھیلا جاتا رہا اور میں بے خبر رہی۔ یہ تو بھلا ہو عائلہ کا جس نے میری آنکھیں کھولیں۔ نہیں تو میں تو بے خبری میں ماری ہی جاتی'' کاملہ بیگم کا غصہ اتنے دنوں بعد بھی اترنے کا نام نہیں

لے رہا تھا۔ عالیہ بیگم اینڈ فیملی روفا کو لیے ایک ہفتہ ہوا چلی گئی تھی۔ روفا کے جانے پر دانیہ، بلاول اور سجاول نے خوب ہنگامہ کیا مگر ماں کے آگے ایک نہ چل سکی۔ اس وقت بھی وہ سبھی الاؤنج میں براجمان تھے جب کاملہ بیگم نے حسبِ عادت دل کی بھڑاس نکالنے کا آغاز کیا، دانیہ بھی آئی ہوئی تھی۔

''کیا مطلب ہے آپ کا...... کیسا کھیل...... اتنے دن ہو گئے دانیہ کی شادی کو، آپ دن میں کئی بار مجھے روفا کا نام لے کر سناتی رہتی ہیں...... اماں، اتنا بڑا الزام لگانے سے پہلے آپ نے یہ سوچ لینا تھا کہ وہ کوئی غیر نہیں، آپ کے بھائی کی بیٹی ہے۔ میں کوئی غیر نہیں آپ کا اپنا بیٹا ہوں۔ میری اور روفا کی ایج دیکھ لیں۔ کتنا ڈفرنس ہے۔ وہ لڑکی بمشکل انیس برس کی ہے۔ دانیہ سے بھی چھوٹی اور میں...... کیا میں ایسا بدھو نظر آتا ہوں آپ کو...... یا بہت نظر باز لگتا ہوں کہ باہر کی لڑکیاں چھوڑ کر اپنے خاندان کی، اپنے ماموں کی لڑکی سے افیئر چلاؤں گا۔ افسوس ہو رہا ہے مجھے...... میری چھوڑیں، اس بن باپ کی لڑکی پر الزام لگاتے ہوئے آپ کا دل نہیں کانپا۔ ذرا بھی دل میں لرزش پیدا نہیں ہوئی...... سوچیے ذرا وہ اپنے باپ کی کتنی لاڈلی تھی۔ کتنی تکلیف ہوئی ہو گی احتشام ماموں کی روح کو...... کیسا تڑپ رہے ہوں گے وہ...... روفا کی امی اگر ایسی ہی بری ہوتیں تو ماموں ان سے کبھی بھی شادی نہ کرتے۔ کیا انہیں اپنے خاندان کی ناموس کا خیال نہیں تھا۔ بہرحال، ہم سب مسلمان ہیں۔ ہمیں تو جانوروں سے بھی حسن سلوک سے پیش آنے کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ تو پھر انسان ہے۔ نہ صرف انسان ہے بلکہ آپ کا اپنا خون ہے'' سلال کی طویل ترین تقریر کے جواب میں خاموشی سی چھا گئی۔ حیدر عباس شاہ کو اس کے ایک ایک حرف سے اتفاق تھا۔ روفا کے اپنے

گھر سے چلے جانے کا انہیں بہت دکھ تھا۔

''سلال ٹھیک کہہ رہا ہے نیک بخت! وہ دھان پان سی لڑکی کیا بگاڑ سکتی ہے کسی کا۔ محض دو بول محبت کے چاہئیں اسے...... جو ہم سب اسے بہ آسانی دے سکتے ہیں۔ مگر نہیں دیتے...... آخر گردن بھی تو اونچی رکھنی ہے۔ حالانکہ کیسے اپنا گھر سمجھ کر وہ یہاں گھل مل گئی تھی۔ گھر کا کوئی بھی کام کرنے میں عار محسوس نہیں کرتی تھی۔ یہاں تک کہ آج تک تمہاری سگی بیٹی نے تمہارے پیر دبانے کی زحمت کبھی گوارا نہیں کی لیکن وہ نیک، باسعادت بچی تمہارے پیر دبائے بغیر سوتی نہیں تھی، غلط کہہ رہا ہوں کیا؟''

''ٹھیک کہہ رہے ہیں!'' انہوں نے تڑخ کر حیدر عباس کو جواب دیا ''لیکن ہم کیسے بھلا دیں۔ عائلہ کا گھر اجاڑنے کا سبب اس کی ماں بنی۔ اتنی تلخ سچائی بھلائے نہیں بھولتی، پھر بھی کہاں سے اتنا بڑا جگر لے آؤں جو اس چمارن کی بیٹی کو قبولنے پر تیار ہو جائے، کہاں سے لے آؤں؟''

''عائلہ کا گھر اجاڑنے کا سبب زینب بنی تھی یا نہیں یہ تو بڑی لمبی بحث ہے۔ اس میں نہیں پڑتے کیونکہ ہارنا بہر حال تمہیں ہی پڑے گا لیکن یہ بات تو طے ہے کہ روفا بے قصور ہے، معصوم ہے۔ اس بے چاری نے تو ماں باپ کا لمس بھی صحیح طور پر محسوس نہیں کیا اور تم اسے ناکردہ گناہ میں حصے دار بنا رہی ہو۔ رہی بات عائلہ کا گھر اجڑنے کی تو یہ واقعہ قابل افسوس تھا لیکن تم خود گواہ ہو کہ رشتہ ٹوٹ جانے کے باوجود بھی عائلہ کے لیے بہت اچھے گھرانوں کے قابل لڑکوں کے رشتے آئے لیکن تم سب لوگ عائلہ کی ضد کے آگے جھک گئے۔ کوئی ایک تو اسے آمادہ کر سکتا تھا نئی زندگی شروع کرنے کے لیے۔ اور آج وہ یقیناً خوشگوار زندگی بسر کر رہی

ہوتی اگر راضی ہو جاتی...... اب اگر اس نے خود ہی تنہائی کو گلے لگا لیا ہے تو اس میں روفا بے چاری کا کیا قصور۔ اور کاملہ بیگم، حالیہ واقعے نے تو مجھے بھی رنجور کر دیا ہے۔ جس طرح سے بلاول اور سجاول اس کے کزنز ہیں، سلال بھی کزن ہوا...... اگر وہ بلاول اور سجاول کے کمرے میں کسی بھی کام کی وجہ سے آ جا سکتی ہے تو سلال کے کمرے میں کیوں نہیں۔ میرا نہیں خیال کہ کسی بھی فضول بات کا اس کے ذہن سے گزر ہوا ہو۔ کافی عرصے کے بعد وہ کسی پُرسکون ماحول کا حصہ بنی تھی۔ کیا پاگل تھی جو ایسی حرکت کرتی......'' حیدر عباس شاہ کی باتوں پر دانیہ، بلاول اور سجاول مطمئن سے ہو گئے تھے۔ جبکہ سلال سنجیدگی سے ماں کے سپاٹ چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

''پاگل ہی تو تھی جو ایسی حرکت کی...... سارے خاندان میں اشتہار بنا کر رکھ ڈالا۔ جو بھی آتا ہے، سلال کے ساتھ اس کا نام خواہ مخواہ میں نتھی کرنے پر تلا رہتا ہے۔ تنگ آ گئی ہوں میں...... کم از کم میں اس کا نام اپنے بیٹے کے ساتھ برداشت نہیں کر سکتی۔''

''تو کس نے کہا تھا اپنی عزت کا اشتہار خود لگواؤ۔ شادی والا گھر تھا۔ تمہاری عقلمند بہنوں نے ڈھنڈورا پیٹ ڈالا۔ ارے بعد میں بھی تو روفا سے پوچھ گچھ کی جا سکتی تھی۔ کیا ضروری تھا عزت کی دھجیاں بکھیرنا۔ ذرا سی بات کا ایشو بنا ڈالا۔ ایسے اگر سمیلہ اور حسنہ میں سے کوئی ایک سلال کے کمرے میں چائے پہنچانے جاتی تب بھی تم یوں واویلا مچاتیں؟ نہیں...... کیونکہ ان کی منہ زور ماں اور خالہ ان کی بدچلنی کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتیں۔''

''حالانکہ دونوں بہنیں ہی شادی کے دوران میں میرے آس پاس

منڈلاتی رہی تھیں۔ تب کسی کو کیوں نظر نہیں آیا تھا'' سلال نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ کاملہ بیگم خوب بدمزہ ہوئیں۔ سمیلہ اور حسنہ کی ''اڈادیاں'' اور ''توبہ شکن ادائیں'' ہرگز ڈھکی چھپی نہیں تھیں۔ سلال کے لیے ان کا خصوصی التفات بھی نظروں میں آ گیا تھا۔

''تو اس میں ایسی کیا بات ہے...... سمیلہ میں کوئی برائی بھی نہیں، پڑھی لکھی، باشعور خوبصورت لڑکی ہے۔ اسے بہو بنا کر مجھے فخر ہی ہوگا'' بہت نپے تلے سے انداز میں کاملہ بیگم نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ یہاں قیام کے دوران میں وہ بہن کے ارادے سے باخبر ہوگئی تھیں مگر ان کی اس خواہش نے باقی سب کے تاثرات سنگین بنا ڈالے۔

''مجھے بالکل بھی فخر محسوس نہیں ہوگا سمیلہ صاحبہ کو اپنی بیوی بنا کر...... پلیز اماں جان، کوئی بھی فیصلہ کرنے سے قبل آپ مجھ سے مشورہ ضرور کر لیا کریں۔ لائف پارٹنر کی حیثیت سے میرے ذہن میں سمیلہ کا نام دور دور تک نہیں...... آپ پلیز، مجھے...... راضی کرنے کے لیے جذباتی بلیک میلنگ سے پرہیز کیجئے گا۔ مجھے وہ اپنے لیے بالکل بھی سوٹ ایبل نہیں لگتی'' سلال نے قدرے رک کر ماں کے بپھرے ہوئے چہرے کو دیکھا تھا پھر حیدر عباس شاہ کے ''کیری آن'' کہنے پر دوبارہ کہا۔

''سوٹ ایبل تو مجھے ''روفا'' بھی بالکل نہیں لگتی تھی...... لیکن آپ کی بار بار ایک ہی تکرار نے مجھے روفا کے متعلق سوچنے پر مجبور کر دیا اور اس سوچنے کا یہ نتیجہ نکلا کہ مجھے اس میں ایسی کوئی خامی، کمی یا برائی نظر نہیں آئی جس کی بنا پر میں اسے ریجکیٹ کر دیتا۔ اب جبکہ پوری فیملی میں میرے نام کے ساتھ روفا کا نام

اچھالا جا رہا ہے تو بہتر یہی ہے کہ میں اسے واقعی اپنا نام دے دوں۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ وہ کس ماں کی بیٹی ہے، میرے لیے یہی کافی ہے کہ وہ بھی سمیلہ کی طرح میری کزن ہے۔ اسے بھی وہی احترام، وہی عزت ملنی ہے جو کہ سمیلہ یا کسی اور کزن کو ملتی ہے۔ بلکہ ان سے زیادہ ملنی چاہیے کیونکہ میں اسے اس گھر کی بہو بنانا چاہتا ہوں۔ میری وجہ سے ہی اس کی بدنامی ہو رہی ہے اور میں ہی اس کے دامن سے یہ داغ دھوؤں گا۔ بابا جان! آپ کچھ کہنا چاہیں گے؟'' بہت اطمینان سے اس نے اپنی بات مکمل کر کے باپ سے کہا تھا۔ جبکہ کاملہ بیگم تو ''کاٹو تو بدن میں لہو نہیں'' کی تفسیر بنی بیٹھی تھیں۔

''ماشاء اللہ...... الحمد للہ...... مجھے اپنے بیٹے سے کسی اچھے فیصلے کی ہی توقع تھی۔ بھئی سچ پوچھو تو روفا مجھے اپنی بیٹی جیسی لگی۔ اسے بہو بنا کر مجھے تو بہت زیادہ خوشی ہوگی'' ان کے خوشگوار سے جواب نے سلال کو پُرسکون کر دیا۔ دانیہ، بلاول اور سجاول چیخ چیخ کر ''ہیئر...... ہیئر'' کے نعرے لگا رہے تھے۔

''ماں کو دیکھو...... خوشی کے مارے ساکت ہوگئی ہے'' حیدر شاہ کی سرگوشی پر سلال نے ساکت بیٹھی کاملہ بیگم کو دیکھا اور ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

''اماں جان!''

''ہٹو پیچھے...... شہر کی جتنی غریب، مسکین لڑکیاں ہیں سب سے شادی کر لو۔ میں ایک شادی پر بھی نہیں آؤں گی'' اس کے ہاتھ جھٹک کر وہ آنسو بہاتی چلی گئیں۔

''کوئی بات نہیں......! اسے راضی کرنا میرا کام ہے...... تم اطمینان رکھو'' سلال کے بے چارگی سے دیکھنے پر حیدر عباس نے نرمی سے کندھا تھپتھپا کر کہا۔

ان کے جانے کے بعد تینوں بہن بھائی ٹریٹ مانگنے کے لیے اس کے پیچھے پڑ گئے تھے۔



بڑی غیر متوقع اور عجیب قسم کی سزا تجویز کی گئی تھی اس کے لیے۔ وہ جو اس انتظار میں تھی کہ کب اسے ڈانٹ پھٹکار ملے گی، کب بدچلنی کے طعنے کوسنے دیے جائیں گے۔ اس انوکھی سزا پر بھونچکا سی رہ گئی۔ وہ اگر حیران پریشان تھی تو عون بھی کوئی خوش نہیں تھا بلکہ اس نے تو سنتے ہی گھر سر پر اٹھا لیا تھا۔

''واٹ ڈو یو مین! یعنی کہ میں اس سے شادی کرلوں...... واؤ، ویری فنی''

اس نے جی بھر کے تمسخر اڑایا ''ویری فنی...... لگتا ہے آپ ہوش میں نہیں ہیں لیکن میں یہ خودکشی نہیں کرسکتا'' وہ بے شک بچہ تھا مگر کمپیوٹر کے دور کا۔ اپنے لیے اچھا اور برا خود چننے والا۔ چونکہ یہ سبق اسے ماں سے ہی ملا تھا۔ سو بنا گھبرائے آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اس نے اعتراض کیا۔ عالیہ بیگم کو اسی قسم کے ری ایکشن کی توقع تھی۔

''میں ہوش و حواس میں ہی ہوں...... اور سوچ سمجھ کر ہی یہ فیصلہ کیا ہے میں نے۔ میں بھی اس جاہل، گنوار، کم تعلیم یافتہ کو اپنے بیٹے کے لیے بہتر نہیں سمجھتی لیکن اسے اس گھر میں رکھنے کے لیے کوئی نہ کوئی مضبوط دلیل تو ہونی چاہیے ہمارے پاس۔''

''اور اس کے لیے آپ کو میں قربانی کا بکرا نظر آیا ہوں۔ لیکن ویری سوری مام! میری گردن اب اتنی بھی پتلی نہیں۔ کم از کم آپ کو یہ بچکانا فیصلے سوٹ

نہیں کرتے۔ میری ایج اتنی نہیں ہوگئی کہ آپ مجھے میرڈ لوگوں میں شامل کرلیں۔''

''اوہو!'' عالیہ بیگم زچ سی ہوگئیں ''زیادہ ابا بننے کی کوشش نہ کرو۔ اس شادی کا مطلب یہ نہیں کہ میں اسے سارے وقت کے لیے تمہارے سر پر سوار کر دوں۔ یہ محض پیپر میرج ہے۔ محض ایک ایسا سٹیفکیٹ جو اس بدچلن کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس گھر کا پابند بنا دے۔ ایک ایسا جواز جو اسے ساری زندگی یہاں اپنے پاس رکھنے کے لیے لوگوں کے اعتراض کے جواب میں بتایا دکھایا جا سکے اور بس...... نہ اس کو تم سے کوئی سروکار ہوگا اور نہ تمہیں اس سے...... تم اپنی مرضی کی لائف گزارنے کے لیے ہمیشہ آزاد ہوگے۔''

''تو اس کو گھر میں رکھنا کیوں ضروری ہے؟ کسی غریب، مریض، فقیر کے ساتھ نکاح پڑھوا کے چلتا کریں اور دعائیں لیں۔ گھر میں رکھنے کی کیا تک بنتی ہے؟'' عون جھنجھلا کر بولا۔

''اب زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ اتنے بھی منے نہیں ہو کہ تمہیں ہر بات سمجھائی جائے۔ جانتے تو ہو کہ عائلہ کی زندگی میں تاریکیاں اس کی ماں نے بسائیں۔ میں کیسے اس کو سکون کی زندگی جینے کے لیے باہر کی دنیا میں چھوڑ دوں کہ جس کی ماں کی وجہ سے میرا جوان جہان بھائی کینسر کا مریض ہوکر محض دنوں میں دنیا سے اٹھ گیا۔ عذاب دے دے کر اسے ماروں گی، جینا دوبھر کر دوں گی اس کا...... سمجھے!''

''سمجھ گیا!'' ان کے تاثرات عون کو مزید چڑا گئے ''آپ بھی سمجھ جائیں گی جب آپ کے سرکل میں لیڈیز آپ کے فیصلے کا مذاق اڑائیں گی۔''

"جاؤ جاؤ...... زیادہ زبان چلانے کی ضرورت نہیں۔ کہہ جو دیا تمہاری لائف ڈسٹرب نہیں ہوگی۔ خواہ مخواہ ذہن تھکانے کا فائدہ" عون تن من کرتا ان کے سامنے سے ہٹ گیا۔ بہانے بہانے سے کئی کام کرنے کے لیے لاؤنج میں آتی جاتی بوا کی سماعتوں نے ایک ایک حرف سنا تھا۔ بہت سالوں پہلے انہوں نے چاہنے کے باوجود بھی زینب کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ اس کی پاکیزگی جاننے کے باوجود بھی خاموش رہی تھیں۔ مگر اب وقت اور تھا۔ انہیں ملک اعتصام کی آنکھوں میں پچھتاوے بسیرا کیے نظر آئے تھے۔ سو بہت کچھ سوچ کر وہ مطمئن ہوگئی تھیں۔



ملک اعتصام اور روحی بھابی کی آمد عین اسی دن ہوئی، جس دن روفا کا نکاح ہونا تھا۔ بڑے بھائی کو دیکھ کر عالیہ اور عائلہ گھبرا سی گئیں۔

"میں بیٹھنے نہیں آیا...... روفا کو لینے آیا ہوں" سلام دعا کے بعد بغیر کسی تمہید کے ملک اعتصام نے کہا۔ دونوں بہنیں اچنبھے سے انہیں دیکھنے لگیں۔

"یہ کیسے ممکن ہے...... وہ یہاں رہی ہے ہمیشہ...... آپ کے ساتھ کیسے جا سکتی ہے؟" گڑبڑا کر عالیہ بیگم نے یہی کہا۔

"کیوں نہیں جا سکتی وہ میرے ساتھ...... یہ ٹھیک ہے کہ...... تم نے اسے جیسے بھی سہی پالا پوسا بڑا کیا۔ لیکن اس کی سرپرستی درحقیقت تو مجھے ہی کرنی چاہیے تھی۔ مجھ پر خدا کی لعنت رہی کہ میں اس سے غافل رہا۔ وہ میرے ماں جائے کی بیٹی ہے۔ میرا خون ہے۔ میں نے بہت لمبا پچھتاوؤں کا سفر کیا ہے۔ خدا مجھے تبھی معاف کرے گا جب روفا کرے گی۔ میں نے اچھی راہ چن لی ہے۔ سگے بھائی کی

زندگی میں زہر گھول کر ہم میں سے شاید ہی کوئی پرسکون رہا ہو۔ پھر بھی تم اپنی ہٹ دھرمی پر قائم ہو تو رہو۔ مجھے میرے گناہ کی تلافی کرنے دو۔ روفا یہاں نہیں رہے گی اور شکر ہے کہ میں بروقت آ گیا۔ نہیں تو تم اسے مستقل جہنم کا رہائشی بنانے جا رہی تھیں۔ کہاں ہے روفا!" دونوں بہنیں کچھ کہنے سننے کے قابل ہی کہاں رہی تھیں جو روفا کا بتاتیں۔ بوا ہی اسے لے آئیں۔ روحی بھابی نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔

"ہمیں معاف کر دینا بیٹی! ہم سب تمہارے گنہگار ہیں۔ ہمیں معاف کر دینا۔ اب تم ہمارے ساتھ رہو گی۔ ہم تمہاری زندگی سے ایک ایک دکھ نکال پھینکیں گے، انشاءاللہ" روحی بھابی روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ پھر اسے لیے ملک اعتصام کے پاس آ گئیں۔ انہوں نے اس کا سر اپنے سینے کے ساتھ لگا لیا۔

"اب کبھی تم سے غفلت نہیں برتوں گا، کبھی نہیں۔ تمہارا اصل گھر تو میرا گھر ہے۔ میں اپنی بیٹی کو وہیں سے رخصت کروں گا۔ چلو دانیہ تمہارا بے تابی سے انتظار کر رہی ہے۔"

نہ جانے کہاں سے ڈھیر سارے آنسو آ گئے تھے۔ وہ ان کے ساتھ لگی زار و قطار روتی رہی۔ پھر بوا کی مدد سے اپنا بیگ تیار کیا اور جانے سے پہلے عالیہ بیگم کے پاس آئی۔

"پھپھو! مجھے معاف کر دیجئے گا۔ میرا کہا سنا بخش دیجئے گا!" ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے وہ آنسو بہاتے ہوئے بولی۔ عالیہ بیگم نے منہ پھیر لیا۔ عائلہ کا رسپانس بھی کچھ مختلف نہیں تھا۔ وہ کھڑی ہو گئی۔

"عالیہ جو کچھ تمہیں کہنا چاہیے تھا وہ روفا نے کہہ دیا۔ خیر کبھی فرصت ملے

تو سوچنا ضرور کہ اس بچی کا یا اس کی ماں کا کیا قصور تھا؟ خود احتسابی بھی بعض اوقات بڑا لطف دیتی ہے۔ آزما کر دیکھنا...... خدا حافظ! اور ہاں، میری طرف سے واحد بھائی کا شکریہ ادا کرنا کہ اتنے عرصے انہوں نے روفا کو چھت فراہم کی۔ ورنہ فرض تو میرا تھا'' ملک اعتصام نے دھیرے سے کہا اور روفا کو ساتھ لگائے گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔

''خس کم جہاں پاک!'' سمیلہ نے ہاتھ جھاڑ کر اندر کی جانب قدم بڑھا دیے جبکہ عالیہ بیگم کافی دیر تک وہیں روش پر خالی الذہن کی سی کیفیت میں کھڑی رہی تھیں، نہ جانے کیوں؟

• • •

سارا آسمان گھٹاؤں کی زد میں تھا۔ وقفے وقفے سے برستی بارش نے لان کے پودوں، پھولوں، درختوں کو نکھار کے رکھ دیا تھا۔ وہ سب کچھ دیر پہلے تک گلاس وال سے ناک ٹکائے لان میں برستی بارش کا نظارہ کرتے رہے تھے۔ اب جو بارش ذرا سی رکی تو سجاول اور بلاول نے سب سے پہلے ہائی جمپ، لانگ جمپ کے مظاہرے کیے تھے۔ اس کے بعد دانیہ بھی ماں کی ڈانٹ سے بے نیاز قلانچیں مارتی لان میں تشریف لائی تھی۔ کاملہ بیگم ان کے اس طرح ٹھنڈے یخ موسم میں باہر بیٹھنے پر اچھی خاصی ناراض ہوئیں۔ مگر کس کو پروا تھی۔ سب نے کان لپیٹ لیے۔ یہاں تک کہ حیدر عباس شاہ بھی بچوں کی محفل کا حصہ بن بیٹھے۔ مجبوراً کاملہ بیگم کو بھی آنا پڑا۔ مگر چہرے کے زاویے ہنوز بگڑے ہوئے تھے۔ اتنی تو ٹھنڈ تھی لان میں۔ قدرے تاخیر سے لوازمات سے بھری ٹرالی گھسیٹتی خوش رنگ، جاذب نظر

کپڑوں میں ملبوس، آنکھوں سے اطمینان و سکون کی دولت چھلکاتی، مسکراہٹیں بکھیرتی وہ آئی تھی۔

''ارے...... مزہ آ گیا۔ ساون یاد آ گیا...... بارش میں یہ پکوڑے...... آپ نے تو کمال کر دیا...... سجاول شروع ہو جاؤ'' پکوڑوں پر اٹیک کرنے کے بعد بلاول نے کہا اور سجاول بھی الرٹ ہو گیا۔

''بھابی، میری بھابی! تم جیو ہزاروں سال .... اوئے ہوئے بھابی!'' دونوں نے خاصے سُر میں تان لگائی تھی۔ سب کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''بس بس، مسکا پالش نہیں چلے گی'' اس نے شریر لٹوں کو یہاں وہاں اڑسا تھا۔

''یعنی کہ کوئی وقعت ہی نہیں۔ ارے ہم تو دل و جان سے کہہ رہے ہیں اور آپ ہیں کہ ہماری ویلیو کم کر رہی ہیں'' بلاول نے منٹوں میں پکوڑے اڑا لیے تھے۔ کاملہ بیگم بہت توجہ سے بہو کو دیکھ رہی تھیں۔

''اپنی یہ ویلیو اپنے تک ہی رکھا کرو۔ میری نازک سی بہو کو کچن میں تھکانے کی ضرورت نہیں۔ ایسی حالت میں کئی گھنٹے چولھے کے آگے ٹھہر جاتی ہے۔ یہ دانیہ آئی ہوئی ہے ناں...... اس سے بنوایا کرو اپنی چٹوری چیزیں۔''

''ہائیں...... ہائیں...... ہائیں'' کاملہ بیگم کے کہنے کی دیر تھی، دانیہ نے آستینیں چڑھا لیں۔

''بہو کیا آئی، آپ نے آنکھیں ہی پھیر لیں۔ بیٹی سے زیادہ بہو پیاری ہوگئی'' اس کے مصنوعی منہ پھلانے پر روفا کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"اور نہیں تو کیا! تم تو پرائی تھیں۔ میری اصل بیٹی تو یہ ہے۔ میرے گھر کی رونق، میری آنکھوں کا نور۔"

"میرے دل کا سرور اور بھائی کے دل کی حور" کاملہ بیگم کے جملے بلاول نے اچک کر پورے کیے۔ روفا کی سنہری رنگت دمک اٹھی۔

"اس میں کسی کو شک ہے بھلا" اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کاملہ بیگم نے محبت سے کہا۔

"او......و......و" سجاول اور بلاول نے ایک دوسرے کو دیکھ کر کہا۔

"یہاں پر تو "ساس میری سہیلی" کے سین شروع ہو گئے ہیں۔ واہ جی واہ...... دانیہ آپی، آپ کی ساس بھی آپ کی سہیلی ہیں یا......"

"سہیلی ہیں۔ تم کیوں پوچھ رہے ہو، تمہارا کیا مطلب ہے......؟"

"ہے ناں......" سجاول نے راز داری دکھائی "اصل میں کتاب لکھ رہا ہوں سہیلیوں نما ساسوں پر...... تاکہ خونخوار ساسیں پڑھ کر استفادہ کریں۔"

"ہٹو مرو" دانیہ نے منہ بنا لیا۔

"ماشاء اللہ ہماری بہو کے ہاتھ میں ذائقہ بہت ہے" حیدر عباس شاہ نے توصیفی نظروں سے روفا کو دیکھا، وہ مسکرا کر رہ گئی۔

"بس بھی کریں اب بابا جان! صبح، دوپہر، شام تعریفیں سن سن کے یہ تو "جھارا پہلوان" کی رشتے دار لگنے لگی ہیں۔ تھوڑا رحم کریں...... یہی حال رہا تو یہ جاپانی پہلوانوں کو بھی پیچھے چھوڑ جائیں گی" روفا نے بنا لحاظ کیے کس کے بلاول کی پیٹھ پر مکا مارا تھا۔ وہ "اوئی ماں" کہتے ہی دُہرا ہو گیا۔

"صاحب! آپ کا فون ہے" جوتے گھسیٹتا شرافت آیا تو حیدر عباس شاہ

فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔

"رات بہت ہو رہی ہے۔ تم سب بھی اندر چلو۔ دیکھو، بارش پھر سے ہو رہی ہے" انہیں تنبیہہ کرتی کاملہ بیگم بھی حیدر عباس کے پیچھے چل دیں۔ شرافت برتن سمیٹ کر لے گیا۔

"میاں جی کا انتظار ہو رہا ہے؟" بھائیوں کے اٹھنے کے بعد دانیہ نے روفا کے کان میں منہ گھسیڑ کر کہا۔ وہ کلائی پر بندھی گھڑی دیکھ رہی تھی۔ شرما کر مسکرانے لگی۔

"جی نہیں...... میں آپ کی طرح لیلیٰ یا ہیر کی جانشین نہیں جو ذرا سا سیّاں سے دور ہوئی اور رانجھا رانجھا کرنے لگی۔"

"اوہو" دانیہ نے سر جھٹک کر اس کی بات ہوا میں اڑائی "بھائی ایک دو دن لیٹ ہو جائیں تو محترمہ کی اتنی سی بوتھی نکل آتی ہے اور چلی ہیں ہم پر طنز کے تیر چلانے...... میں لیلیٰ کی جانشین ہوں تو تم اس کی ڈبل کاپی...... بلکہ لیلیٰ کا دوسرا جنم۔"

"چلیں ہٹیں" روفا نے اسے پیچھے دھکیلا "میں مسلمان ہوں...... دوسرا جنم، تیسرا جنم مجھے نہ سنائیں۔"

"اچھا چلو، اپنے سیّاں کا انتظار اندر کمرے میں آتش دان کے پاس بیٹھ کر کرو۔ یہاں باہر بیٹھی رہیں تو قلفی جم جائے گی" دفعتاً ہارن کی آواز پر دونوں متوجہ ہوئی تھیں۔ واچ مین نے گیٹ کھول دیا۔ سلال کی گاڑی پورٹیکو میں آرکی۔ فل یونیفارم میں آنکھوں کے راستے دل میں اترتا وہ روفا کی دھڑکنیں بڑھا گیا تھا۔

''السلام علیکم! یہاں کیوں بیٹھی ہو تم دونوں......فریز ہونے کا ارادہ ہے کیا؟'' نظروں کا حصار روفا کے گرد بُن کر اس نے خوشگوار لہجے میں پوچھا۔

''آپ کی مسز محوِ انتظار تھیں۔ اب آپ آ گئے ہیں تو اندر چلتے ہیں'' روفا کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ دانیہ نے جواب دے کر اندر جانے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

''جناب!'' سلال آہستگی سے چلا اس کے قریب آ گیا۔ ''کس کا انتظار ہو رہا تھا؟''

''آپ کا تو نہیں ہو رہا تھا'' وہ اسے ناراض ناراض سی لگی تھی۔ سلال نے بھرپور کیفیت اور دلچسپی سے اسے دیکھا تھا۔ اندر تک سے تھکن مٹ گئی تھی۔

''رئیلی!'' وہ مصنوعی حیران ہوا ''پھر کس کا ہو رہا تھا؟''

''آپ کو کیوں بتاؤں......آپ میرے کیا لگتے ہیں؟''

''یہ میں تمہیں اپنے کمرے میں چل کر بتاؤں گا، ٹھیک ہے!'' اس کے جذبے لٹاتے لہجے نے روفا کو اچھا خاصا بلش کر ڈالا۔

''تم بھی باقی کے شکوے اندر کمرے میں کر لینا۔ فی الحال سردی بڑھ گئی ہے۔ اندر چلیں؟''

اس کا ہاتھ تھام کر وہ پیار سے پوچھنے لگا۔ روفا نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ خوشیاں ان دونوں کی ہم قدم ہو گئی تھیں۔

